مردِ ناداں

مائل خیرآبادیؒ

تعارف

آج کل محبت آمیز افسانے کچھ اس طرح لکھے جاتے ہیں کہ پڑھنے والوں کو محسوس ہوتا ہے گویا ان میں عریانیت کو قصداً شامل کردیا گیا ہے۔ عام طور پر بازار میں ایسے افسانوں اور ناولوں کی مانگ بھی بڑھ رہی ہے۔ ان عریاں افسانوں اور ناولوں کا اثر ذہنوں پر پڑتا ہے۔ پھر یہی ذہن تخریب اخلاق کا جو نمونہ پیش کرتے ہیں اس سے ہر پڑھا لکھا آدمی واقف ہے۔ سنجیدہ ذہن رکھنے والے چاہتے ہیں کہ ان عریاں افسانوں اور ناولوں کے بدلے کردار ساز افسانے میدان میں لائے جائیں۔

کردار ساز افسانے اچھے انداز بیان اور شگفتہ زبان کے ساتھ لکھے جائیں تو امید کی جانی چاہیئے کہ ان کو بھی پڑھا جائے گا۔ چنانچہ جب یہی ناولٹ "مرد ناداں" حجاب میں قسط وار چھپ رہا تھا تب ہی سے مطالبہ کیا جانے لگا تھا کہ اسے جلد سے جلد مارکیٹ میں آنا چاہیئے۔ اس کے لئے ہمارے پاس پیشگی آرڈر بھی آنے لگے۔ لیکن ہم چاہتے تھے کہ پورا ناول حجاب میں آجائے۔ اس پر مشورے مل جائیں اس کے بعد نظر ثانی کر کے پیش کیا جائے۔

الحمدللہ یہ مرحلہ طے ہوگیا۔ اب ہم نظر ثانی اور قدرے ترمیم کے ساتھ "مرد ناداں" شائع کر رہے ہیں۔ اس کے مصنف جناب مائل خیرآبادی کا قلم آپ کا جانا پہچانا قلم ہے۔ وہ محبت آمیز افسانہ پیش کرنے میں پوری طرح کامیاب نظر آتے ہیں۔ کہیں پر عریانیت کا شائبہ تک نہیں۔ مرد، عورتیں، لڑکیاں سب بے تکلف پڑھ سکتی ہیں۔ کتاب اتنی دلچسپ اور اس کی زبان اتنی پیاری ہے کہ پڑھنے والا اس میں جذب ہو کر رہ جاتا ہے۔ امید ہے کہ جو پڑھے گا مصنف کو دعا دے گا۔ ہم بڑے فخر کے ساتھ "مرد ناداں" پیش کرتے ہیں۔

ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مردِ ناداں

(۱)

"محترمہ! شاید آپ کو معلوم نہیں کہ اس بستی میں غریب صاحب کا مقام کیا ہے؟ میں آپ کو بتاؤں اس بستی کے بوڑھے اور بزرگ غریب صاحب کو اپنا بیٹا سمجھتے ہیں. چاہے وہ عورتیں ہوں یا مرد. اس بستی کے جوان غریب صاحب کو اپنا بھائی مانتے ہیں اور اس بستی کے لڑکے اور لڑکیاں. جو چاہے اس اسکول کے طالب علم ہوں یا نہوں غریب صاحب کو چچا کہتے ہیں. غریب صاحب نے دس برس میں. جو خدمت انجام دی ہے. جس خلوص سے اسکول میں کام کیا ہے اور جس بے نفسی کے ساتھ یہاں رہ رہے ہیں اس کا تقاضا یہی تھا کہ ہم انھیں یہ مقام دیتے. وہ یہاں ہر دلعزیز ہیں. آپ کو تشریف لائے ہوئے چھ مہینے بھی نہیں ہوئے. آپ نے غریب صاحب کو اچھی طرح جانا بھی نہیں ان کی صلاحیت اور طبیعت کو پہچانا بھی نہیں. جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اس چھ ماہ کے عرصے میں کوئی سخن گسترانہ بات بھی آپ کے اور ان کے درمیان نہیں آپڑی کہ آپ انھیں اور ان کے کردار کو پرکھ سکیں. آپ نے بے جانے سمجھے نہایت شریف اور ہر دلعزیز شخص کو نامناسب لفظ کہہ دیا. اس چھ ماہ کے اندر آپ کی محنت اور صلاحیت کا کچھ اندازہ یہاں کی پبلک کو

ہوا ہے۔ آپ کے بارے میں بھی اچھے خیالات کا اظہار کیا جا رہا ہے لیکن ظاہر ہے کہ آپ کو وہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی جو غریب صاحب کو حاصل ہے ہم سب جانتے ہیں کہ آپ ایک تعلیم یافتہ اور مہذب خاتون ہیں۔ بے شک آپ نے ایک قربانی دی۔ اس غریب اسکول کے لئے آپ نے ایک بڑی تنخواہ اور ریلازمت چھوڑی۔ ہم یہ بھی گواہی دیتے ہیں کہ آپ ایک پاک دامن اور معزز ہستی ہیں۔ یہ سب ٹھیک ہے لیکن اگر یہاں پبلک کو خدانخواستہ یہ معلوم ہو گیا کہ آپ نے غریب صاحب کو فلاں لفظ کہہ دیا ہے تو شاید کوئی برداشت نہ کرے اور پھر میں نہیں جانتا کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے۔ غریب صاحب کو آج میں نے کچھ متفکر پایا۔ حال پوچھا تو انھوں نے شکایت کے طور پر نہیں ہنستے ہوئے، لطف لیتے ہوئے بتایا کہ آپ نے انھیں جھڑوس کہہ دیا۔ تعجب ہے کہ آپ کی زبان سے یہ لفظ کیسے نکل گیا میرا خیال ہے کہ سبقت لسانی میں آپ کہہ گئیں تو کیا میں آپ سے امید کروں کہ آپ غریب صاحب سے معافی مانگ لیں گی؟"

یہ کہہ کر میں خاموش ہو گیا اور یہ انتظار کرنے لگا کہ دیکھوں پرنسپل صاحبہ کیا جواب دیتی ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ انھوں نے ایک لمبی سانس لی۔ بیچ میں پردہ حائل ہونے کی وجہ سے میں یہ نہ دیکھ سکا کہ اس وقت ان کے چہرے پر کس قسم کے اثرات تھے۔ میں نے کہا:

"کیا آپ کی خاموشی کا مطلب میں یہ سمجھوں کہ آپ اپنا یہ لفظ واپس لینے کو تیار ہیں؟"

"جی نہیں۔ میں معافی مانگنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوں۔ میری خاموشی کے

کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ میری زبان سے جو لفظ نکلا ہے اُسے میں واپس لے لوں گی۔ میں تو اس لئے خاموش تھی کہ آپ کو جو کچھ فرمانا ہے۔ فرمالیں۔ تو فرمائیے۔ آپ کو اپنے غریب صاحب کی طرفداری میں جو کچھ کہنا تھا، کہہ لیا آپ نے؟"

پرنسپل صاحبہ کے اس جواب سے مجھے مایوسی بھی ہوئی اور دکھ بھی پہنچا۔ میں نے کہا "جی ہاں! مجھے جو کچھ کہنا تھا، کہہ لیا میں نے۔ اب آپ فرمائیے!"

"سب سے پہلی گزارش یہ ہے کہ جس طرح آپ نے ایک لمبی تقریر فرماڈالی اور یہ نہیں سوچا کہ اس لمبی تقریر سے سننے والا بور ہو سکتا ہے اسی طرح میں بھی اس کے جواب میں کچھ عرض کروں گی اور آپ سے امید کروں گی کہ آپ بھی میری طرح خاموشی اور سنجیدگی سے میرا جواب سماعت فرمائیں گے۔

مینیجر صاحب! آپ نے غریب صاحب کی طرف سے جو شکایت کی ہے، اُسے میں شکایت ہی نہیں تسلیم کرتی۔ آپ ہی فرماتے ہیں کہ غریب صاحب نے ہنستے ہوئے اور لطف لیتے ہوئے بتایا کہ میں نے ان کو جھکڑوس کہہ دیا۔ لفظ جھکڑوس پر جو شخص مسکرائے اور ہنسے اور اس سے لطف لے تو پھر شکایت کیسی۔ میرا خیال ہے کہ شکایت آپ کو ہے۔ غریب صاحب کو نہیں۔ آپ غریب صاحب سے دریافت فرمائیے۔ کیا واقعی ان کو میرے یہ کہنے سے دکھ پہنچا؟ اگر انھیں شکایت ہے تو معافی کے لئے سوچا جا سکتا ہے۔ جی ہاں سوچا جا سکتا ہے۔ معافی کا نمبر تو بعد میں آئے گا۔"

یہ تو ہوئی پہلی بات۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ میں یہ کیسے تسلیم کرلوں کہ انھیں وہ مقام حاصل ہے جو آپ فرما رہے ہیں۔ میں دیکھتی ہوں کہ آپ کے

غریب صاحب، جو یہاں کسی کے بیٹے، کسی کے بھائی اور کسی کے چچا ہیں۔ وہی غریب صاحب اپنا کھانا اپنے ہاتھ سے پکاتے ہیں۔ آپ صاحبان اپنی آنکھوں کے تارے کو چولھے میں پھوپھو کرتے دیکھتے ہیں لیکن اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ اُسی ہر دلعزیز غریب کا کھانا کہیں پکوا دیا کریں......"

"پرنسپل صاحبہ! میں نے اُن سے........" میں نے کچھ بتانا چاہا تو پرنسپل صاحبہ نے یہ کہہ کر روک دیا "آپ تو بیچ میں بول اُٹھے۔ مرد کی عجیب عادت ہوتی ہے وہ جب ایک عورت سے بات کرتا ہے تو چاہتا ہے خود کہے اور سنا کرے کوئی۔ یہ عادت آپ کے غریب صاحب میں بھی ہے آپ لوگ اس معاملے میں اپنی اصلاح فرمالیں تو اچھا ہے کہ جتنی بڑی بات آپ عورت کے سامنے فرماتے ہیں۔ اس کا آدھا چوتھائی غریب عورت بھی کہہ لے۔ آپ مسکرا رہے ہیں مینجر صاحب۔ غریب صاحب تو محض نام کے غریب ہیں۔ دراصل غریب ہے عورت ذات۔ جو لاکھ تعلیم یافتہ اور کتنی ہی تجربہ کار ہو، ہے کمزور جان۔ وہ مرد کی محتاج ہے۔ یہ محتاجی اس لئے ہے کہ قدرت نے اُسے نرم و نازک ضعیف الجثہ بنایا اور مرد کو قوی الجثہ۔ جسم کا قوی اور مضبوط۔ یہ غریب ضعیف الجثہ یعنی میں اُن جگہوں سے جہاں ایک بڑی تنخواہ پاتی تھی۔ بھاگی اسی لئے کہ میں عورت ہوں اور آپ کے یہاں اس امید پر آئی کہ یہاں قوی الجثہ یعنی مرد عورت کے حقوق تسلیم کرتا ہوگا۔ آپ نے اپنے اسکول کے تعارف کے لئے جو پمفلٹ شائع کیا ہے اس میں عورت کے بارے میں اسلامی حقوق کے حوالے دئے ہیں۔ میں امید کرتی ہوں کہ آپ کے قول و عمل میں تضاد نہ ہوگا۔

دیکھئے، آپ بیچ میں بول دیئے تو بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ میں عرض یہ کر رہی تھی کہ بستی کے ہردلعزیز صاحب اپنا کھانا اپنے ہاتھ سے پکاتے ہیں۔ عجیب ناداں آدمی ہیں۔ ایک مدت ہوگئی اپنا کھانا پکاتے ہوئے۔ لیکن میں نے اچانک ایک دن دیکھا کہ حضرت کو پکانا آتا ہی نہیں۔ چولھے میں لکڑی لگانے اور آگ جلانے کی تمیز نہیں۔ تمیز کیا آئے۔ چولھا بھی کہیں ہو۔ چند اینٹیں تلے اوپر رکھ لیں انہی پر پکا لیا۔ دال ترکاری کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتی۔ کیونکہ اس کا تعلق پکھنے سے ہے۔ ہاں روٹیاں دیکھی ہیں۔ نہ پکّی نہ کچی۔ دھنوائی سی۔ یہ ہے آپ کے ہردلعزیز کی غذا۔ اس معنی میں بیشک وہ غریب ہیں۔

یہی غربت کپڑے لتّوں میں دیکھی۔ کُرتہ پاجامہ پھٹتا ہے تو خود سینے اور پیوند لگانے بیٹھ جاتے ہیں۔ گاؤں میں بھائی کہنے والی نہ جانے کتنی بہنیں ہوں گی مگر میں نے کسی کو نہ دیکھا جو آکر کہتی "غریب بھائی! لائیے میں سی دوں۔ رہا رہنا اور رات بسر کرنا تو اس کے لئے اسکول کا باہری بارہ فیٹ مربع کمرہ۔ یہ کمرہ ان کا دفتر بھی ہے اور گھر بھی۔ اسکول کے کام سے فراغت ہوئی۔ کاغذات ایک الماری میں بند کئے۔ میز کرسی ایک طرف کھسکا دی۔ چارپائی بچھائی اور بستر پر پڑ گئے یا کمرہ بند کرکے نکل گئے۔ کہاں نکل گئے۔ لڑکیوں کے ورثاء کے پاس۔ بہانہ یہ کہ فیس وصول کرنے آئے ہیں مگر سنا ہے کہ جا جا کر وعظ فرماتے ہیں۔ نصیحت کرتے ہیں کہ بھئی اپنی اولاد کو جیسا بنانا چاہتے ہو ویسے خود بن جاؤ۔

غریب صاحب یہ تو دوسروں سے فرماتے ہیں مگر خود حضرت کا کیا حال ہے؟ میں نے کئی بار کہا، حجامت تو وقت پر بنوا لیا کیجئے۔ دفتر میں ہر قسم کے

لوگ آتے ہیں۔ آپ کو جھڑوس بنا دیکھ کر دل میں کیا کہتے ہوں گے۔ غور فرمائیے۔ میں نے اس لفظ کا استعمال ایک حالت کو واضح کرنے کے لئے کیا تھا۔ آپ کہتے ہیں نے یہ لفظ کہہ کر ان کی پوزیشن مجروح کی لیکن غریب صاحب اس سے لطف لیتے ہیں۔ براہ کرم پہلے آپ دونوں یہ تضاد دور فرمائیں پھر مجھ سے شکوہ کریں۔

اچھا فرض کیجئے، میں نے غریب صاحب کی ذات مبارک کو جھڑوس کہا تو کیا غلط کہا۔ آپ ان سے پوچھئے۔ ان کا نام جھڑوس رکھ دیا جائے تو وہ انکار کریں گے؟ میرا دعویٰ ہے کہ وہ انکار نہیں کریں گے۔ انکار کریں گے تو جھوٹ بولیں گے۔

پھر یہ کہ اگر ان کا نفسیاتی مطالعہ کیجئے تو قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ بچپن میں اسی لاپروائی سے رہتے ہوں گے اپنی ذات کی طرف سے لاپروائی انکی عادت بن گئی۔ اب انھیں اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ کیا کھا رہے ہیں، کیا پہنے ہوئے ہیں اور کس عالم میں رہ رہے ہیں۔ میرا تو یہ بھی قیاس ہے کہ ان کے بچپن میں ان کے ساتھی لڑکے ان کو اسی لفظ سے نوازتے ہوں گے کچھ بعید نہیں انھوں نے لفظ جھڑوس سے جو لطف حاصل کیا وہ میرے قیاس کا گواہ ہو۔ ذرا آپ ان کا بچپن کریدئے جاکر۔ میں نفسیات کی طالب علم رہی ہوں۔ مجھے اپنے علم پر بھروسہ ہے۔ میں نے جو کچھ پڑھا ہے اور میرا جو مطالعہ ہے اس کی بنا پر میرا دعویٰ ہے کہ اُن کے بچپن میں ان کا نام نامی "جھڑوس" ہوگا۔ یہاں آکر غریب صاحب ہو گئے۔ میں ایک نفسیاتی سبق کا اصول عرض کردوں جس طرح ایک فوجی کو سلوٹ کا حکم دیا جاتا ہے، تو اس کا ہاتھ حرکت میں آکر عادتاً پیشانی پر پہنچ جاتا

ہے۔ اگر آپ کو یہی تماشا دیکھنا ہو تو میں آپ کو دکھا سکتی ہوں۔ کل آپ اور غریب صاحب غریب خانہ پر تشریف لائیں۔ میں دوران گفتگو میں اچانک کسی وقت جھڑوس کہوں گی۔ اس وقت ان کی زبان سے وہ لفظ بے ساختہ نکلے گا جو وہ اس کے جواب میں لڑکوں اور لڑکیوں کو کہتے ہوں گے۔ مینجر صاحب! کیا آپ اس کے لئے تیار ہیں؟ آپ بولنے کے لئے بیتاب ہو رہے ہیں۔ میرا جواب ختم ہوا۔ اب کیا فرماتے ہیں آپ؟"

جس طرح میری شکایت سن کر پرنسپل صاحبہ نے لمبی سانس لی تھی اسی طرح ان کا جواب سن کر میں نے بھی سانس لی۔ ظاہر ہے کہ ان کا جواب بے حد سخت تھا اس سے معلوم ہوا کہ وہ ایک سخت مزاج کی عورت ہیں۔ اور یہ کہ انھیں بات کرنا، بات کا کاٹ کرنا۔ اپنی بات پر اڑنا اور شکایت کے جواب میں صفائی پیش کرنا خوب آتا ہے مجھے ان کا جواب سنکر یہ بھی احساس ہوا کہ انھیں مردوں سے کچھ شکایت بھی ہے باتوں باتوں میں انھوں نے کہہ بھی دیا کہ وہ مردوں سے آبرو بچانے کے لئے بھاگیں۔ بڑی تنخواہ چھوڑی اور کم تنخواہ پر یہاں آگئیں۔ ہو سکتا ہے کہ انھیں مردوں سے نفرت بھی ہو۔ لہذا ان سے بڑی احتیاط سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شاید انھیں مردوں نے دھوکہ بھی دیا اسی لئے وہ اب تک ناکتخدا ہیں۔ جی میں آیا کہ پوچھوں۔ آپ نے اب تک شادی کیوں نہیں کی۔ پھر ڈرا کہ کہیں لینے کے دینے پڑ جائیں اور ان کی زبان سے کچھ اور سننا پڑ جائے۔ میں اسی گومگو میں تھا کہ پرنسپل صاحبہ نے پھر پوچھا "کیا آپ دونوں صاحبان کل آرہے ہیں میرے یہاں؟" تو میں نے کہدیا "آئیں گے"۔ اس کے بعد میں وہاں سے چلا آیا۔ غریب صاحب سے میں نے کچھ نہ کہا۔ سوچا کہ پرنسپل صاحبہ کے یہاں کل ان کا نفسیاتی کرتب دیکھنے کے بعد غریب صاحب سے تفصیلی گفتگو کرونگا۔

غریب صاحب کو ہمارے یہاں آئے ہوئے دس برس ہو چکے تھے۔ اس وقت وہ پچیس برس کے نوجوان تھے۔

حسنِ اتفاق کہ مجھ سے ملاقات ہوگئی۔ میں نے تعارف چاہا تو بولے "مجھے غریب کہتے ہیں"۔ میں سمجھا کہ جیسے امیر احمد نام ہوتے ہیں اسی طرح یہ صاحب غریب احمد ہیں تو بس میں 'غریب صاحب، غریب صاحب' کہہ کر باتیں کرنے لگا۔ باتوں باتوں میں بچوں کی تعلیم زیرِ بحث آئی۔ غریب صاحب سادہ وضع قطع میں تھے۔ ان کی باتیں سنیں ان کے خیالات سامنے آئے۔ تو ان میں بھی سادگی محسوس ہوئی۔ میں نے کہا کہ مکانِ مدرسہ کا انتظام میں کر دوں گا۔ بچوں کو پڑھانے کی ذمہ داری آپ لے لیں۔ انھوں نے منظور کر لیا۔ پہلے تو بچوں اور بچیوں کو لے کر میرے ایک کمرے میں بیٹھے۔ اس کے بعد میرے ایک افتادہ مکان میں۔ پھر اور ترقی ہوئی تو افتادہ مکان کی مرمت کرادی دو تین برسوں میں ہی غریب صاحب اپنی سادگی۔ بے نیازی اور محنت کی بدولت بہت مقبول ہو گئے۔ اب لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوگئی کہ غریب صاحب کے بس کی بات نہ رہی۔ میں نے ان سے مشورہ کیا۔ بہت کچھ غور کرنے کے بعد بتایا کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے اسکول الگ الگ بنیں۔ میں نے شرط رکھی اگر لڑکیوں کے اسکول کی ذمہ داری آپ اپنے سر لیں۔ انھوں نے منظور کر لیا۔ اب میں نے اپنے پاس سے ایک اسکول بستی کے ایک کنارے پر اور دوسرا دوسرے کنارے پر بنوایا۔ لڑکوں کا اسکول بستی کے لوگوں کے سپرد کر دیا۔ لڑکیوں کے اسکول میں غریب صاحب کے ساتھ میں دلچسپی لینے لگا۔ یہ غریب صاحب کی دس برس کی محنت، پُرخلوص شخصیت اور ان کے بے داغ کردار کا نتیجہ ہے کہ اب یہی لڑکیوں

کا اسکول انٹر کی تعلیم کے برابر ہوگیا اور گورنمنٹ کی ایڈ کے بغیر چل رہا ہے۔ لڑکوں کے اسکول کے لئے تو ہم نے گورنمنٹ ایڈ منظور کرلی لیکن جب لڑکیوں کے اسکول کی بات آئی تو نہ غریب صاحب رکگنائزڈ کرانے کے لئے تیار ہوئے اور نہ میں۔ کیونکہ پھر اس کا نظم ہمارے ہاتھ میں نہ رہتا۔ اور سچی بات یہ ہے کہ اس لڑکیوں کے اسکول کے لئے آج ہمیں مس ایف۔ ایف صدیقہ جیسی پرنسپل نہ ملتی جس سے میری یہ تفصیلی بات چیت غریب صاحب کے بارے میں ہوئی اور کل مزید گفتگو ہوگی۔ غریب صاحب جس وضع قطع میں پہلے دن تشریف لائے تھے وہی آج تک قائم تھی۔ سب سے بڑی بات جو خاص طور پر میں نے محسوس کی، وہ ان کی شان بے نیازی تھی۔ وہی سادہ کپڑا، وہی سادہ رہن سہن۔ پھر یہ کہ یہ سب دستِ خود وہاں خود۔ کئی بار میں نے کہا کہ بیکار آپ زحمت کرتے ہیں۔ کھانا پکانے کا انتظام ہو جائے گا۔ پرانے کپڑوں کی مرمت پر جو آپ اپنا وقت ضائع کرتے ہیں اس کا بھی حل نکل سکتا ہے۔ لیکن اللہ ری بے نیازی اور خودداری۔ ہرگز منظور نہیں کیا غریب صاحب نے۔ آخر آج مجھے پرنسپل صاحبہ کی زبان سے طنز سننا پڑا۔ ایک بار میں نے شادی کی بات چھیڑی تو کہہ دیا "منیجر صاحب! اگر آپ نے آئندہ میری شادی کی بات چھیڑی تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ میں ڈرا کہ ایسا سستا اور محنتی آدمی کا ہے کو ہمیں ملے گا۔ پھر میں نے تذکرہ ہی نہیں کیا۔ آج میں نے غریب صاحب سے یہ تو کہا کہ کل پرنسپل صاحبہ کے یہاں چلنا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ کیوں چلنا ہے۔ پہلے انھوں نے انکار کیا پھر میرے بار بار کے اصرار پر اس وقت مانے جب میں نے کہا کہ نسواں اسکول کے لئے آپس میں کچھ مشورہ کرنا ہے۔

دوسرے دن میں پرنسپل صاحبہ کے گھر کی طرف چلا۔ غریب صاحب میرے ساتھ

تھے۔گم صم بالکل خاموش۔میں نے پوچھا "کس سوچ میں ہیں آپ؟" بولے "سوچتا ہوں کہ ایک ضدی اور بے باک عورت سے آپ کو کیا مشورہ کرنا ہے؟ پرنسپل صاحبہ جو مشورہ دیں گی اس پر اصرار کریں گی۔آپ ان کے سامنے کچھ نہ بول سکیں گے۔ پھر ان کا رُخ میری طرف ہوگا۔میری سادہ زندگی پر نفسیاتی تبصرہ فرمائیں گی۔ وہ تبصرہ آپ کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا اور میرے لئے ایک الجھن۔میں جس طرح رہ رہا ہوں اس میں تبدیلی لانا نہیں چاہتا۔ مجھے یہی طرز، یہی سادگی اور یہی بے تکلف رہائش پسند ہے۔

میں نے کہا " اللہ کے بندے! پرنسپل صاحبہ اگر آپ کو یہ مشورہ دیتی ہیں کہ ذرا اپنے کو ظاہراطور پر سنوار لیجئے تو اس میں کیا ہرج ہے۔زمانہ کتنی ترقی کر گیا ہے!"

"تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں تکلف میں اپنا وقت ضائع کروں۔میرے اندر صفائی ستھرائی کی کیا کمی ہے۔میں اپنے ہاتھوں اپنا کام کرتا ہوں اس پر انھیں کیوں اعتراض ہے۔ میں اپنے کپڑے خود دھوتا ہوں۔اپنا کھانا خود پکاتا ہوں۔اپنا بستر خود لگاتا ہوں۔کم سے کم آمدنی میں گذر بسر کرتا ہوں۔کم سے کم چیزیں اپنی ضرورت کے لئے رکھتا ہوں۔آپ مجھے بتائیں یہ میری خوبی ہے یا حماقت۔آپ مجھے جواب دیں۔ ضروریات کی چیزیں زیادہ سے زیادہ اکٹھا کر لوں تو اس زیادہ سے زیادہ کی کیا لمٹ (حد) ہے۔میرا خیال ہے کہ اگر انسان ضروریات کے پیچھے پڑے گا تو انھیں کنٹرول نہ کر سکے گا۔اپنے آس پاس ضروریات کا جنگل لگا لینا اچھا ہے یا زندگی کے لئے جن بنیادی چیزوں کی حاجت ہے ان پر بس کرنا۔عورت تو اپنے آس پاس جنگل چاہتی ہے۔میرے لئے یہی بہت ہے جو کچھ میرے پاس ہے۔

غریب صاحب پھر خاموش ہو گئے۔ مجھے ان کی یہ باتیں بھی قابل قدر معلوم ہوئیں

میں نے سوچ لیا کہ میں پرنسپل صاحبہ کے سامنے غریب صاحب کی طرز زندگی کی پُرزور حمائت کروں گا۔ میں پرنسپل صاحبہ سے بات کرنے کے لئے دل ہی دل میں اپنی تقریر مرتب کرنے لگا۔

راستے میں میں نے پوچھا "غریب صاحب! پرنسپل صاحبہ نے آپ پر لفظ "جھڑوس" کی جو پھبتی کسی تھی اس پر آپ کو غصہ نہیں آیا۔ غصّے کے بدلے آپ نے لطف اُٹھایا کیا اس کا کوئی پس منظر ہو سکتا ہے؟"

میری اس بات کا جواب غریب صاحب نے صرف یہ دیا کہ آپ بھی عورتوں کی باتوں پر سوچ بچار کی قوت صرف کرتے ہیں۔ جب عورت کی زبان کھلتی ہے تو قینچی کی طرح چلتی ہے۔ وہ سوچ کر بات نہیں کرتی جو منھ میں آتا ہے بک دیتی ہے اس کی بات کا برا ماننا ایک سنجیدہ اور شریف آدمی کو زیب نہیں دیتا۔ اُلٹ کر جواب دیا جائے تو فتنہ برپا ہو۔ چار آدمی جانیں۔ سب مرد ہی کو مطعون کریں گے۔ آپ اپنے ہی گھر کے معاملات پر غور کیجئے۔"

باتوں باتوں میں میری گھریلو زندگی پر وار ہوا تو میں ہنس دیا۔ "سچ فرماتے ہیں آپ!" یہ تو میں نے غریب صاحب سے کہہ دیا لیکن یہ سوچتا ہوا چلا کہ پرنسپل صاحبہ نے جو مجھ سے کہا تھا کہ لفظ "جھڑوس" غریب صاحب کی زندگی کا آئینہ دار ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان کے گھر غریب صاحب کا آپریشن کس طرح ہوگا اور پرنسپل صاحبہ ان کی زندگی کے اوراق کس طرح اُلٹتی ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے نفسیات کے علم سے جو کچھ سیکھا ہے اس پر انھیں پورا بھروسہ ہے۔

پھر میں نے غریب صاحب سے باتیں نہیں کیں۔ پرنسپل صاحبہ کا گھر بھی قریب

آگیا تھا۔ وہ منتظر ہی تھیں۔ بیٹھک کا دروازہ چشم انتظار کی طرح کھلا تھا۔ دور سے جائزہ لینے پر ہی سلیقہ نمایاں تھا۔ میں غریب صاحب کو لئے ہوئے بیٹھک میں داخل ہوگیا۔ بیٹھک کا وہ دروازہ۔ جو صحن میں کھلتا تھا اس کے پاس مجھے کوئی شخص محسوس ہوا۔ پرنسپل صاحبہ کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔ میں نے بلند آواز سے السلام علیکم کہا۔ وعلیکم السلام کی آواز آئی۔ یہ آواز پرنسپل صاحبہ کی تھی۔ "تشریف رکھئے۔"

(۲)

بیٹھک میں چھوٹی سی میز کے پاس صرف دو کرسیاں پڑی تھیں۔ میز پر ایک ہلکا گلابی کپڑا میز پوش کے طور پر پڑا تھا۔ اس کے ٹھیک بیچوں بیچ پیلے رنگ کی تارکشی سے دل کی تصویر کڑھی ہوئی تھی۔ اسی کے پاس "کافرحیات" کالے رنگ کی تارکشی سے کڑھا ہوا تھا۔ میری نظریں اس پر جم گئیں۔ میں جھک کر بڑے غور سے دیکھنے لگا اور سوچنے لگا۔ نفسیات کی اس طالب علم خاتون کا زرد دھاگے سے دل کی تصویر اور کالے دھاگے سے کافرحیات کا لفظ کاڑھنا کچھ نہ کچھ معنی رکھتا ہے۔ یہ خیال آتے ہی محسوس کیا کہ کہیں یہ زرد رنگ کا دل بھی غریب صاحب پر طنز نہ ہو۔ میں نے نگاہ اٹھائی۔ غریب صاحب کو دیکھا۔ وہ سیدھے بیٹھے تھے۔ مگر ان کی نظریں بھی دل پر تھیں۔ میں نے جیسے ہی انھیں دیکھا۔ وہ کرسی سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ "بس اب میں چلا۔" میں نے ہاتھ پکڑ کر پھر کرسی پر بٹھادیا۔ "احمق آدمی! یہ کیا تہذیب ہے۔ وہ تو کہئے پرنسپل صاحبہ نے آپ کا فقرہ نہیں سنا ورنہ آپ پر نکتہ چینی کا ایک بہانہ انھیں اور مل جاتا۔

میں نے آہستہ سے یہ کہا تھا لیکن پردے کے دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں نے سُن لیا۔" اور اب ہماری یہ حالت کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ پرنسپل صاحبہ نے فرمایا۔

میں ابھی چاء لاتی ہوں۔ اتنی دیر آپ فاطمہ سے باتیں کریں"۔

پرنسپل صاحبہ کے یہ کہتے ہی سات آٹھ برس کی ایک بچی ایک کاپی لیئے ہوئے بیٹھک میں آئی اس نے ہمیں سلام کیا۔

غریب صاحب اُسے دیکھ کر کھڑے ہوگئے "ارے بالکل ایسی....."۔ غریب صاحب کچھ سوچ کر چُپ ہوگئے۔ اس نے کہا "ایک کہانی سُناؤں"؟

غریب صاحب کو میں نے دیکھا۔ انھیں جیسے کچھ ہوش ہی نہ تھا۔ میں نے کہا "ہاں بیٹی، سناؤ کہانی!"

فاطمہ نے کاپی کا سرورق اُلٹ دیا۔ دوسرے صفحہ پر ایک خزاں رسیدہ درخت کی تصویر تھی جس کی شاخوں پر ایک گھونسلہ بنا ہوا تھا۔ فاطمہ نے کہانی شروع کی۔

بہت دِنوں کی بات ہے۔ ایک تھا لڑکا اور ایک تھی لڑکی۔ دونوں ایک مکتب میں قرآن پڑھتے تھے۔ ان میں بڑی دوستی تھی۔ ایک دن کی بات ہے۔ دونوں کھیلتے کھیلتے ایک پیڑ کے پاس پہنچے پیڑ پر گھونسلہ دیکھا۔ لڑکے کو شرارت سوجھی۔ وہ پیڑ پر چڑھ گیا۔ گھونسلے میں چڑیا کا ایک بچہ تھا۔ لڑکے نے بچّے کو اُٹھاکر کُرتے کے دامن میں رکھ لیا اتنے میں چڑیا آگئی۔ وہ چوں چوں کرکے کُرتے کے دامن کی طرف جھپٹی مگر لڑکے نے اُسے بھگا دیا۔ پیڑ سے اُتر کر دونوں چلے تو چڑیا چوں چوں کرکے ان کے سروں پر اُڑتی ہوئی ساتھ چلی۔

لڑکی بڑی نرم دل تھی۔ اس نے لڑکے سے کہا۔ چڑیا کا بچہ چھوڑ دو۔ اللہ سے ڈرو۔ لڑکا نہ مانا۔ بھاگا۔ لڑکی منع کرتی رہی۔ راستے میں بچہ کُرتے سے گر پڑا۔ لڑکے کو خبر بھی نہ ہوئی۔ لڑکی پیچھے پیچھے تھی۔ اس نے دیکھا۔ بچہ چوٹ کھا گیا تھا۔ اس نے لڑکے کو پکارا۔" تو

نے یہ کیا کیا؟ جس طرح تو نے چڑیا کا گھونسلہ اُجاڑا ہے کہیں اللہ میاں تیرا گھر نہ اُجاڑ دیں۔"
جھڑوس کہیں کے!

لڑکی کہانی کہہ کر چپ ہو گئی. لفظ جھڑوس سنتے ہی غریب صاحب کے جسم میں اچانک ایک حرکت پیدا ہوئی. ان کی زبان سے بیساختہ نکلا" جھونپڑی ٹھہر تو!" یہ کہہ کر فاطمہ کے سر کے بال پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا. اچانک پردے کے اندر سے آواز آئی
"خبردار! غریب صاحب! بچی کے بال نہ پکڑیئے گا!"

غریب صاحب کا ہاتھ رُک گیا. پرنسپل صاحبہ نے فاطمہ کو بلالیا. اس کے بعد پرنسپل صاحبہ نے پر تکلف چاء پیش کی. چاء سے شغل کرتے ہوئے میں نے گفتگو چھیڑی.

پرنسپل صاحبہ! میں یہ کچھ نہ سمجھ سکا کہ بچی سے کہانی سنکر غریب صاحب کھو کیوں گئے؟ اور لفظ جھڑوس سنکر بچی کے سر کے بال کیوں پکڑنے چاہے اور اسے جھونپڑی کیوں کہا. کیا یہ سب غریب صاحب کی زندگی کا کوئی پس منظر ہے؟"

"میں پس منظر وس منظر نہیں جانتی. میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ میں نفسیات کی طالب علم رہی ہوں. میرا قیاس صحیح نکلا. میں نے عرض کیا تھا کہ شاید ان حضرت کو بچپن میں کوئی جھڑوس کہتا ہوگا. اب ثبوت آپ کے سامنے ہے. جواب میں یہ جھونپڑی کہتے تھے. میرے علم نے مجھے یہ بھی بتادیا تھا کہ یقیناً یہ لڑکی کے بال پکڑیں گے معاف فرمائیے گا. مرد چاہے بچہ ہی کیوں نہ ہو. وہ عورت سے ہر پن میں طاقتور ہوتا ہے. وہ عورت کے مقابلے میں ہمیشہ جبر سے کام لیتا ہے. آپ کے غریب صاحب بھی تو آخر مرد ہی ہیں) ماشاء اللہ. صنف نازک کے مقابلے میں صنف شدید. جبر کی حرکت کرنے میں کورے کیوں ہونے لگے؟"

میں پرنسپل صاحبہ کی ذہانت اور ان کے قیاس کی پہنچ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ دل ہی دل میں کہنے لگا۔ بلا کی ذہین عورت ہے۔ میں نے دیکھا کہ غریب صاحب اپنے اوپر اعتراض سُن کر کچھ نہ بولے تو میں نے پرنسپل صاحبہ سے کہا۔

"میں نے عرض کیا کہ فاطمہ کی کہی ہوئی کہانی میں، جیسے ظاہر ہے کہ آپ ہی نے اُسے سنایا ہوگا۔ غریب صاحب کی زندگی کا پس منظر ہے؟ اس کا جواب آپ نے نہیں دیا۔"

"یہ معمہ میں حل نہیں کر سکتی۔ میں تو بچی کو اخلاقی کہانیاں سناتی ہوں تصویریں بنا کر اس کے ذہن نشین کرتی ہوں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ بچی کے دل میں دوسروں کی طرف سے نرمی اور اللہ کا ڈر پیدا ہو۔ میرا خیال ہے کہ انسان جو ظلم کسی پر کرتا ہے اس کا کچھ نہ کچھ بدلہ اُسے اس دنیا میں بھی مل کر رہتا ہے۔ ویسے ہمارا آپ کا عقیدہ یہی ہے کہ بدلے کا اصل دن آخرت کا ہے۔"

"تو کیا آپ کا یہ قیاس ہے کہ غریب صاحب نے بچپن میں چڑیا کے ساتھ یہ شرارت کی ہوگی۔ اس شرارت کا بدلہ انھیں اس دنیا میں ملا ہو گا یا ملے گا؟"

"مینجر صاحب! میں نے عرض کیا کہ یہ تو میرا طریقہ تعلیم ہے۔ میں طریقہ تعلیم میں بچیوں کو زندگی کے مختلف گوشوں کی کہانیاں سناتی رہتی ہوں۔ اب اگر کہانی کا پلاٹ کہیں کسی کی زندگی پر فٹ ہو جائے تو قیاس قیاس ہی ہے۔ یہ تو آپ غریب صاحب سے پوچھئے وہ کیوں اس کہانی سے متاثر ہوئے۔ ان سے یہ بھی سوال کیجئے کہ فاطمہ کو دیکھ کر انھوں نے یہ کیوں کہا کہ "ارے بالکل ایسی ..... " ایک لمحہ خاموشی کے بعد پرنسپل صاحبہ نے فرمایا۔ نفسیات کا علم تو یہ کہتا ہے کہ ان کے بچپن میں کوئی لڑکی فاطمہ کی شکل کی تھی اس سے انھیں دلچسپی رہی ہوگی۔ آج اچانک اس کی ہمشکل دیکھی تو بیساختہ زبان سے یہ فقرہ نکل گیا۔

اب آپ ان سے دریافت فرمائیں۔ میں حقائق تو عرض نہیں کر سکتی۔ قیاس اور حقیقت میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔"

غریب صاحب ہنوز خاموش تھے۔ میں نے ان کی طرف دیکھا۔ کہنے لگے۔ "آپ اسی لئے مجھے یہاں لائے تھے۔ اگر یہی غرض تھی تو آپ کا مقصد پورا ہو گیا۔ میری جو ذلت ہوئی وہ ہوئی۔ اب تشریف لے چلئے۔ میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ آپ اسکول کے بارے میں کچھ مشورے کریں گے۔ اس کی چھاؤں تک میں نے نہیں پائی۔ اچھا خدا حافظ۔ اجازت دیجئے۔ مجھے ضروری کام ہے۔ میرا وقت بڑا قیمتی ہے۔ مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا۔"

غریب صاحب یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ سلام کیا اور بیٹھک سے نکل گئے۔ میں انھیں دیکھتا رہا۔ پھر میں نے پرنسپل صاحبہ سے کہا۔ "یہ مذاق اچھا نہیں رہا۔ آپ نفسیات کے علم کے زعم میں ہیں۔ آپ نے ذرا بھی لحاظ نہ فرمایا کہ غریب کے دل پر کیا بیت جائے گی واقعی اس بے چارے کی ذلت ہوئی۔ میں یہ نہیں سمجھتا تھا۔"

"عجیب بات ہے، مینجر صاحب! میرے گھر میں کوئی مرد نہیں ہے۔ میں نے سوچا کہ جب تک میں چائے بناؤں۔ بچی کو بھیج دوں۔ آپ لوگ اس وقت تک اس سے کھیلیں۔ مجھے یہ پتہ نہ تھا کہ ایک کہانی یہ بے لطفی پیدا کر دے گی۔ کہانی تو کہانی ہی ہوتی ہے۔ وہ بہت سے لوگوں کی زندگی پر چسپاں ہو سکتی ہے۔ رہا غریب صاحب کا معاملہ تو یہ چور کی داڑھی میں تنکا والی مثل صادق ہوتی ہوئی لگتی ہے۔ یہ شخص بھی عجیب معمہ نظر آتا ہے۔ نہ تو کچھ اپنی کہتا ہے نہ دوسروں کی سنتا ہے۔ یہ کیا انسانیت ہے کہ اکیلے پھر رہے ہیں یوسف بے کارواں ہو کر۔ ہر وقت کام، ہر وقت وہی اسکول کی فکر۔ بس ایک دھن۔ حیرت یہ ہے کہ دس برس سے ایک طرز زندگی بسر کر رہے ہیں اور اکتاتے

بھی نہیں۔ کبھی تو کچھ تنوّع ہونا چاہیے۔ میری رائے ہے کہ آپ غریب صاحب کی زندگی میں تنوع پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ غریب صاحب آدمی کام کے ہیں۔ بشرطیکہ آدمی بن جائیں"

"دیکھیے، پرنسپل صاحبہ! آپ جس بے باکی سے بات کرتی ہیں اس کی شکایت غریب صاحب راستے میں مجھ سے کر چکے ہیں۔ آپ کو ان کے آدمی ہونے میں کیا شک ہے۔ سادہ زندگی تو اچھی چیز ہے۔ اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر۔ وہ اسی پر عمل کرتے ہیں۔ آپ نے باتوں باتوں میں 'پھر آدمی بن جانے' کی پھبتی کس دی"

"مینجر صاحب! غریب صاحب کی خدمت میں میری طرف سے شکریہ ادا کیجئے گا۔ کہ انھوں نے چھ مہینے میں میرے بارے میں آج آپ کے سامنے شکوے کے طور پر سہی کچھ کہا تو۔ ترچھی نظر سے دیکھتے ہیں دیکھتے تو ہیں ورنہ مدرسہ میں تو یہ حالت ہے کہ میں نے کچھ عرض کیا تو فرمایا لکھ کر دیجئے۔ بس میرے لکھے پر حکم نافذ فرما دیا کہ ایسا ہونا چاہیے۔ آخر مرد ٹھہرے جو"

"دیکھیے پھر آپ نے اپنی عادت کے طور پر بات ختم کی تو ایک وار مرد پر کر دیا۔ کیا نفسیات کا طالب علم آپ پر یہ فقرہ چست نہیں کر سکتا کہ آپ کی زندگی کے پس منظر میں کسی مرد کی بے وفائی کار فرما رہی ہو؟"

"خیر آپ جو سمجھیں۔ بہر حال ہماری آج کی گفتگو کا ماحصل یہ ہونا چاہیے کہ غریب صاحب کے اندر زندگی پیدا کرنا چاہیے۔"

"لیکن کیسے؟ زندگی دراصل پیدا ہوتی ہے شادی کرنے سے۔ غریب صاحب کے سامنے شادی کا نام لینا جرم ہے۔ اگر آپ کے اُبھارنے پر میں چھیڑوں تو وہ آپ پر اعتراض کر سکتے ہیں کہ پرنسپل صاحبہ کو دوسروں کی زندگی کی اتنی فکر ہے مگر خود؟ اس "مگر خود"

کا جواب میں کیا دوں۔"

پرنسپل صاحبہ یکدم چپ رہ گئیں۔ انھوں نے کچھ نہ کہا۔ میں نے رخصت چاہی اور میں وہاں سے چلا آیا۔ مجھے اب غریب صاحب کے بارے میں کھوج پیدا ہوگئی۔ یہ بھی شک ہونے لگا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ غریب صاحب اور پرنسپل صاحبہ ایک دوسرے کو جانتے ہوں نہیں تو غریب صاحب کو پرنسپل صاحبہ کی بے باکی پر مجسم احتجاج بن جانا چاہیئے تھا۔ مجھے یاد آیا کہ ایک بار پرنسپل صاحبہ کی بیباکی کے تذکرے کے درمیان میں نے کہا تھا کہ ایسی بیباک معلمہ کو ہٹا دیا جائے۔ اس ہٹا دینے کی مخالفت غریب صاحب نے کی تھی۔ بہر حال ایک معمّہ میرے سامنے تھا۔ مجھے اس معمّے کو حل کرنے میں دلچسپی سی محسوس ہونے لگی۔

(۳)

میں ایک بات سلجھانے کے لئے غریب صاحب کو پرنسپل صاحبہ کے گھر لے گیا تھا۔ وہاں معاملہ اور الجھ گیا۔ پرنسپل صاحبہ کے گھر ایک بچی کو دیکھ کر غریب صاحب کا چونک جانا برجستہ ان کی زبان سے نکلنا کہ "ارے بالکل ایسی......!" اور پھر کچھ سوچ کر چپ ہو جانا پھر بچی کا ایک کہانی سنانا۔ اس کہانی سے غریب صاحب کا پریشان ہونا وغیرہ۔ یہ باتیں غریب صاحب سے سرزد ہوئیں تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ان باتوں کے پیچھے غریب صاحب کی کوئی ایسی کہانی ہے جسے وہ اب تک چھپائے ہوئے ہیں۔ میں نے سوچا کہ یہ کہانی کھل کر سامنے آنا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے تنہائی میں غریب صاحب سے ملاقات کی اور ان سے پوچھا۔

"غریب صاحب! یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس معصوم بچی کو دیکھ کر آپ چونک کیوں گئے۔ آپ نے یہ کیا کہا کہ "ارے بالکل ایسی.....!" پھر جب اس بچی نے ایک

لڑکے اور لڑکی کی کہانی سنائی تو آپ گھبرا گئے۔ آپ نے لڑکی کو جھونپڑی کہہ کر کیوں پکارا اور پھر آپ پر ایسی وحشت طاری ہوئی کہ آپ پرنسپل صاحبہ کے یہاں سے چلے آئے یہ سب میرے لئے معمہ ہے۔ میں نے جتنا بھی سوچا، مجھے آپ کی زندگی سے ہمدردی پیدا ہوگئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس لڑکی یا پرنسپل صاحبہ سے یا تو آپ کا کوئی خاندانی رشتہ ہے یا آپ کی زندگی کا کوئی رنجیدہ واقعہ وابستہ ہے۔ جسے آپ ہم لوگوں سے دس گیارہ برس سے چھپائے ہوئے ہیں۔ پھر یہ کہ آپ شادی نہیں کرتے۔ شادی کا نام آپ کے سامنے لیا جاتا ہے تو آپ برہم ہو جاتے ہیں۔ میرے دوست! آپ مجھے بتلایئے۔ میں تو آپ کا بھائی ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کی مدد کر سکوں"۔

یہ لمبی تقریر کرکے میں خاموش ہوگیا۔ غریب صاحب کو دیکھنے لگا۔ اس وقت ان پر ایسی کیفیت طاری ہوگئی جو میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی جیسے کسی شخص کا چہرہ فق ہو جاتا جیسے کسی شخص کی چوری پکڑی گئی ہو۔ جیسے کوئی اقراری مجرم ہو یا اُسے رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا گیا ہو۔

یہ کیفیت تھی غریب صاحب کی۔ ان کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور جاتا تھا۔ میں غریب صاحب کے چہرے کا اُتار چڑھاؤ دیکھتا رہا۔ میں سمجھ گیا کہ ضرور کوئی حادثہ پیش آیا ہے جس سے گھبرا کر غریب صاحب گھر سے بھاگے اور ایسی جگہ آ کر رہے کہ بقول غالب:۔

" رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو"

اور اگر کوئی ہو بھی تو " مہرباں کوئی نہ ہو، نا مہرباں کوئی نہ ہو"

میرے دل میں غریب صاحب کی طرف سے ایسی ہمدردی کے جذبات اُمنڈنے لگے جیسے ایک بڑے بھائی کے چھوٹے بھائی کے لئے ایسے موقعوں پر اُبھرتے ہیں۔

پھر میں نے دیکھا کہ انھوں نے اپنے دل پر کچھ اس طرح ہاتھ رکھا جیسے دل سے ہوک اُٹھی ہو اور وہ اسے دبا رہے ہوں۔ انھوں نے جواب تو کچھ نہ دیا ہاں ان کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ میں نے ان کو رونے دیا۔ پھر میں نے سوچا کہ ان حضرت کی زبان سے کچھ کہلوانا ضرور چاہیئے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو۔ ان کا یہی تاثّر دل کی طرف رخ کرے اور پھر لینے کے دینے پڑ جائیں۔ میں نے کہا:۔

"غریب صاحب! ماضی میں جو ہو گیا اس سے انسان کو تجربہ تو ضرور حاصل کر لینا چاہیئے لیکن اُسے دل میں رکھ کر پرورش کرنا کسی طرح بھی درست نہیں اسی کا نام کوفت اور کڑھن ہے۔ اسی موقع پر صبر کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور ایسے اوقات میں یہ سمجھنا چاہیئے کہ اللہ کو یہی منظور تھا اور ہمارے لئے اسی میں کچھ بہتری تھی۔ کسی حادثہ کی مصلحت کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ خدا سمجھتا ہے۔ یہ ہمارا آپ کا عقیدہ ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟"

"سچ کہتے ہیں آپ!" غریب صاحب کی زبان سے نکلا اور وہ آنسو پونچھنے لگے۔

"تو سنائیے اپنی کہانی؟" میں نے اس طرح کہا جیسے کوئی شخص کسی سے عرض کرتا ہے۔ غریب صاحب نے اس طرح اپنی کہانی شروع کی:۔

"پرنسپل صاحبہ کے یہاں آپ نے جو چھوٹی بچی دیکھی تھی۔ میرے بچپن میں بھی ایک اسی شکل کی لڑکی تھی۔ فاطمہ فردوس اس کا نام تھا۔ میرے پڑوس میں رہتی تھی۔ بچپن میں ہم دونوں ایک مکتب میں پڑھنے جاتے تھے۔ گھر آکر ایک ساتھ سبق یاد کرتے۔ ساتھ کھیلتے۔ آپ جانتے ہیں کہ بچے کھیل ہی کھیل میں لڑ پڑتے ہیں۔ ہم دونوں بھی لڑتے تھے۔ فاطمہ جب بہت غصّے میں ہوتی تو مجھے جھڑوس کہہ دیتی

تھی۔اس کے جواب میں اُسے جھونپڑی کہتا اور اس کے بال پکڑ کر کھینچتا۔ پھر اس دن ہم دونوں روٹھے رہتے۔ دوسرے دن بھول جاتے اور پھر ساتھ کھیلنے لگتے۔ اللہ اللہ کتنی بھولی بھالی دنیا میں تھے ہم دونوں۔

پرنسپل صاحبہ کے یہاں آپ نے اس چھوٹی بچی سے جو کہانی سنی تھی کہ ایک لڑکے نے چڑیا کے گھونسلے کو اُجاڑ دیا تھا تو یہ واقعہ بھی میرے بچپن میں ہوا تھا۔ فاطمہ فردوس بڑی نیک تھی اس نے مجھے بہت ڈانٹا تھا۔"

"ذرا ٹھہریئے غریب صاحب!"۔ میں نے غریب صاحب کو روک کر پوچھا "اور آپ کا نام اس وقت یہی غریب صاحب تھا یا کچھ اور؟

غریب صاحب نے بتایا کہ میں گھر کا تو واقعی غریب تھا لیکن میرا اصل نام سعید ہے فاطمہ فردوس مالدار ماں باپ کی لڑکی تھی۔ مکتب کی تعلیم کے بعد اس کی اعلیٰ تعلیم ہوئی۔ میں بہت کم پڑھ سکا۔ ہاں میں نے مطالعہ بہت کیا۔ جو کتاب ہاتھ آگئی میں نے پڑھی فاطمہ کلاس پر کلاس پاس کر رہی تھی۔ اور میں جہاں جاتا نئی پرانی کتابیں کھوجتا اور پڑھتا فاطمہ کے گریجویٹ ہوتے ہوتے نہ جانے کتنی لائبریریاں میں اپنے دماغ میں اُتار چکا تھا۔

"ذرا غریب صاحب یا سعید صاحب! یہ تو بتایئے کہ آپ معاش کے لئے کیا کرتے تھے؟"

"یہی جو یہاں کرتا ہوں۔ میں اپنے گھر کے آس پاس چھوٹے چھوٹے بچوں کو گلی ڈنڈا اور دوسرے فضول کھیل کھیلتے دیکھتا۔ گالی گلوج کی آوازیں سنتا تو دل ہی دل میں کڑھتا۔ پھر جب مجھے شعور ہوا تو میں نے بچوں کو اپنے گرد اکٹھا کرنا شروع کر دیا ان کے والدین سے ملا اور یہ طے کیا کہ بچے مجھ سے پڑھا کریں۔ میں آپ کو بتا دوں

کہ یہ وہ بچے تھے جو اسکولوں میں پڑھنے نہیں جاتے تھے۔ اپنے گھر والوں کے ساتھ گھریلو پیشے کرتے تھے۔ میں ان کو پڑھانے لگا۔ میرے پڑھانے میں کتابی تعلیم سے زیادہ زبانی تعلیم تھی اور زبانی تعلیم کے ساتھ عملی تعلیم بھی۔ میں جو بات زبانی بتاتا۔ کتاب سے پڑھاتا اس پر خود عمل کرتا۔ بچوں سے بھی عمل کراتا۔ گندے بچوں کو میں نے صفائی پسند بنا دیا۔ انھیں نماز سکھا دی۔ ان سے گالی گلوج چھڑا دی۔ اس کا اثر پبلک پر بہت اچھا پڑا۔ پھر آپ سمجھ سکتے ہیں جس طرح یہاں میرے پڑھانے سے ترقی ہوئی۔ یہی بات وہاں تھی۔ میں بے حد ہر دلعزیز ہو گیا۔ میرا گھر تعلیم گاہ میں تبدیل ہو گیا۔ پھر الگ سے مدرسہ بھی بن گیا۔ جیسے یہاں آپ دیکھتے ہیں۔

ادھر فاطمہ فردوس نے پڑھانے کی ٹریننگ حاصل کی اور ایک گرلس اسکول میں معلمہ ہو گئی۔ اب ہم دونوں اچھے خاصے جوان ہو چکے تھے۔ میرے اور فاطمہ کے والدین کو اپنے بچے کی شادی کی فکر ہوئی۔ میرے سامنے شادی کی بات آئی تو آپ سے آپ آئندہ زندگی کا ایک نقشہ ذہن میں آنے لگا۔ اب میں سوچا کرتا کہ اگر مجھے ایک ایسی پڑھی لکھی بیوی مل جائے جو لڑکیوں کو اسی طرح تعلیم دے جس طرح میں لڑکوں کو دے رہا ہوں تو ہمارا معاشرہ علمی اور اخلاقی حیثیت سے بہت بلند ہو جائے۔ یہ سوچ کر جب میں رشتے اور جانے پہچانے لوگوں کی لڑکیوں میں اپنی شریکِ حیات تلاش کرتا تو میری نظر فاطمہ فردوس پر جا کر رُک جاتی لیکن وہ تھی بڑے گھرانے کی لڑکی اور میں غریب۔ وہ اعلیٰ تعلیم کی مالک تھی اور میں معمولی مدرس۔ میرا اور فاطمہ کا کوئی جوڑ نہ تھا۔ مگر میں چاہتا تھا کہ اس سے میری شادی ہو جائے۔ میں خدا سے دعا بھی کرتا تھا مگر سچی بات یہ ہے کہ میرا اس طرح سوچنا بالکل شیخ چلی

کے منصوبوں کی طرح تھا۔

اسی زمانے میں ایک ایسی بات آپڑی کہ میں سوچنے کی قوت کھو بیٹھا۔ فاطمہ کے لئے ایک بڑے گھرانے سے پیغام آیا۔ قریب تھا کہ فاطمہ کے والدین منظور کرلیتے لیکن فاطمہ سے پوچھا گیا تو اس نے انکار کردیا۔ پھر جب اس کی سہیلیوں کے ذریعہ پوچھا گیا کہ کیسے نوجوان کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہو تو اس نے بتایا۔ ایک ایسا تعلیم یافتہ نوجوان جو سعید کی طرح نیک اور صاحب کردار ہو۔

میرے ایک دوست نے فاطمہ کا آدھا جملہ مجھ تک پہنچایا۔ تعلیم یافتہ نوجوان کا فقرہ اس نے چھوڑ دیا اور نیک صاحب کردار رہنے دیا۔ میں سُن کر اُچھل پڑا۔ اب میرے لئے اُلٹے لڑکیوں کے سرپرست پیغام بھیجتے تو میں انکار کردیتا۔ میں دل ہی دل میں فخر کرتا کہ فاطمہ مجھے پسند کرتی ہے۔ مجھے یقین ہوگیا کہ میری دعا قبول ہوگئی۔ میں نے اپنے دوست کے ذریعہ اپنے والدین تک بات پہنچائی۔ وہ ہنس دیے۔ میرے والدین ہنس دیے تو مجھے ضد سی ہوگئی۔ میں نے کہلوا دیا کہ اگر میری شادی فاطمہ سے نہ ہوئی تو میں یہاں نہیں رہوں گا۔ بات تو ناممکن تھی ہی لیکن مجھے لاجواب کرنے کے لئے پیغام دیا گیا۔ فاطمہ کے باپ نے پیغام پاتے ہی انکار کردیا۔ میں نے انکاری جواب سنا تو مجھ پر بجلی سی گری۔ آئندہ زندگی کے لئے جو منصوبہ بنایا تھا وہ خاک میں مل گیا۔ میں نے طے کرلیا کہ اب شادی نہیں کروں گا۔ گھر پر رہ کر اپنے طے شدہ ارادے پر کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ گھر والے بہرحال مجھے تنہا نہ چھوڑتے۔ میں بے سمجھے بوجھے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ یہاں آپ کے پاس آگیا۔ خیال تھا کہ فاطمہ کو بھول جاؤں گا۔ میں بھول بھی گیا تھا مگر شائد میری قسمت میں چین نہیں ہے۔ یہ پرنسپل عورت میرے

پیچھے پڑ گئی۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اسے میرے حالات کا علم کیسے ہوا۔ اور یہ فاطمہ کی ہمشکل بچی کون ہے جو پرنسپل کے ساتھ رہتی ہے اب مجھے وہ واقعہ یاد آتا ہے کہ میں نے ایک چڑیا کے گھونسلے کو ویران کیا تھا۔ چڑیا کی بد دعا سے میری زندگی ویران ہو گئی۔ اللہ مجھے معاف کرے۔"

غریب صاحب یا سعید صاحب اپنی آپ بیتی سنا کر آبدیدہ ہو گئے۔ اور پھر جسے "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" کہتے ہیں۔ اس طرح آنکھیں پونچھ کر ہنس پڑے۔ میں نے کہا کہیں یہ پرنسپل وہی فاطمہ فردوس ہی ہو۔ اس کے سرٹیفکٹ میں ایف۔ ایف صدیقہ لکھا ہے۔"

نہیں یہ کوئی اور ہے۔ ایف۔ ایف سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ فاطمہ فردوس کی دوست ہو کہیں اس کا ساتھ ہو گیا ہو۔ اور باتوں باتوں میں فاطمہ نے میرا قصّہ سنایا ہو۔

"لیکن فاطمہ کی ہم شکل لڑکی پرنسپل صاحبہ کے پاس کہاں سے آئی ؟" میں نے غریب صاحب سے سوال کیا۔

"یہ عقدہ کھولنے کے لئے میں کئی مہینوں سے کوشاں ہوں مگر نہیں کھلتا۔ اگر پرنسپل ایف۔ ایف صدیقہ فاطمہ فردوس ہوتی تو وہ مجھے ہرگز اس طرح ذلیل نہ کرتی مجھے احمق نہ بناتی۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ مجھ سے شادی نہیں کر سکتی تھی کیونکہ میں غریب ہوں لیکن وہ مجھ سے ہمدردی ضرور برتتی۔"

" غریب صاحب ! میرا خیال ہے کہ فاطمہ فردوس ہی پرنسپل ہو کر یہاں آئی ہیں۔ میرا یہ بھی خیال ہے کہ ان کی شادی کہیں بڑے گھرانے میں ہوئی۔ یہ بچی انہی کی ہے اور

جسے آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ آپ کو ذلیل کرتی ہیں اور احمق بناتی ہیں۔ دراصل یہ ان کی ہمدردی ہی ہے۔ پھر میرا خیال یہ بھی ہے کہ انھیں شوہر کی طرف سے دکھ ملا ہے۔ اسی لئے یہ بار بار مردوں پر طنز کرتی رہتی ہیں۔"

"اگر یہ وہی ہیں تو میرے سامنے ان کا پردہ برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔ ہم دونوں ساتھ کے کھیلے ہیں۔ پڑوسی رہے ہیں ایک دوسرے کے بھروسے کے آدمی ہیں۔"

"غریب صاحب! واقعی جیسا کہ پرنسپل صاحبہ کہتی ہیں آپ ہیں نادان ہی۔ ساتھ کے کھیلے، پڑوسی اور بھروسے کے آدمی ہوتے کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ اس ناتے خدا اور رسولؐ کا حکم ٹال دیا جائے کیا یہ ناتہ خدا اور رسولؐ سے بڑھ کر ہے؟ آپ تو ان کے لئے بہرحال نامحرم ہیں۔"

غریب صاحب جنھیں اب میں سعید صاحب کہوں گا کھسیانی ہنسی ہنس دیئے میری دلیل کو انھوں نے مان لیا۔ اس کے بعد میں ان سے یہ وعدہ کر کے اٹھا کہ اپنی بیوی کو پرنسپل صاحبہ کے پاس بھیجوں گا دیکھوں، پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

(۴)

"مینجر صاحب! واقعہ یوں نہیں ہے جیسا آپ نے بیان فرمایا، یا غریب صاحب نے آپ سے کہا۔"

"اب آپ انھیں غریب صاحب کیوں کہتی ہیں جب کہ معلوم ہو چکا کہ ان کا نام سعید ہے۔"

"اچھا سعید صاحب ہی سہی۔ سعید صاحب نے اپنی کہانی کی نہایت پیچیدہ بات آپ کو بتائی ہی نہیں۔"

"تو کیا آپ جانتی ہیں؟"

"شروع سے آخر تک جانتی ہوں۔"

"شروع سے آخر تک! تو اس سے پہلے کہ میں آپ سے پورا واقعہ سنوں، آپ سے کچھ سوالات کر سکتا ہوں؟"

"پوچھیئے. آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں!"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں یہ شک ہو رہا ہے کہ فاطمہ فردوس آپ ہی ہیں کیا یہ بات ٹھیک ہے۔"

"جواب سنیئے، میں فاطمہ فردوس نہیں ہوں۔"

"الیف. الیف صدلیقہ سے کیا مطلب ہے؟"

"الیف. الیف صدلیقہ سے دھوکا نہ کھایئے۔ میرا نام فاطمہ فیروز ہے۔"

"آپ کے ساتھ یہ جو بچی ہے. یہ کون ہے؟"

"یہ فاطمہ فردوس کی بھتیجی ہے۔"

"فاطمہ فردوس کی بھتیجی!"

"جی!"

"یہ آپ کے پاس کیسے آئی؟ اور یہ کہ فاطمہ فردوس کا آپ سے کوئی رشتہ ہے؟"

"فاطمہ فردوس میری ٹریننگ اسکول کی ساتھی ہے. یہ الیف. الیف صدلیقہ کے حروف جو آپ کے لئے دلچسپی کا سبب بنے. ہمارے ٹریننگ اسکول کی فضا میں بھی پُرلطف رہے. میں الیف. الیف صدلیقہ نمبر ایک تھی. فاطمہ فردوس الیف الیف صدلیقہ نمبر دو. ان حروف کی یکسانیت کا نفسیاتی اثر ہم دونوں پر ہوا. حُسنِ اتفاق

یہ کہ جس طرح فردوس کی ابتدائی تعلیم مکتب میں ہوئی تھی اسی طرح میں نے بھی دینی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ اس کے بعد اسکول کی طرف رُخ کیا۔ اس طرح ہم دونوں کا مزاج بھی قریب قریب یکساں تھا۔ مزاج کی یکسانیت سے ہم دونوں قریب ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ جب ٹریننگ سے فارغ ہوئے اور الگ الگ اسکولوں میں تقرر ہوا تو خطوط آدھی ملاقات کا ذریعہ بنے۔ کبھی کبھی ہم دونوں یکجا بھی ہوتے تھے میں دو تین بار فردوس کے گھر بھی گئی۔ آخری بار جب میں فردوس سے ملنے اس کے گھر گئی تو اس نے بتایا کہ سعید صاحب کا پیغام اس کے لئے آیا تھا۔ باپ نے انکار کر دیا۔ میں نے فردوس سے سعید صاحب کے بارے میں معلوم کیا تو بتایا کہ وہ ایک نہایت نیک اور صالح نوجوان ہے۔ تعلیمی استعداد کم ہے اور گھرانہ غریب ہے۔ اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی۔ آپ جانتے ہیں کہ لڑکیوں کے لئے پیغام آتے ہی رہتے ہیں۔ لڑکیوں کو اس سے کیا دلچسپی۔ ماں باپ جہاں جھونک دیں۔ آج کل پڑھی لکھی لڑکیوں میں جو آزادی اُبھر رہی ہے۔ ہمارے بچپن میں وہ نہ تھی۔ کم از کم میں اپنے اور فردوس کے بارے میں عرض کر سکتی ہوں کہ گریجویٹ ہونے کے باوجود بھی ہم دونوں پورے طور پر مشرقی، اور مشرقی سے بڑھ کر مسلم معاشرے کی لڑکیاں رہیں۔ کسی کو معلوم نہ تھا۔ سعید صاحب کے دل میں فردوس کی چاہت اس درجہ تھی کہ وہ میاں مجنوں کا کردار ادا کرنے پر تُل گئے۔ لیکن میں آپ کو بتاؤں کہ وہ اپنی ناکامی کے کارن گھر سے نہیں بھاگے بلکہ....

"کیا؟... بلکہ!"

"سنئے تو! ایک ایسی لڑکی کا تصور کیجئے، جو مسلم گھرانے سے تعلق رکھتی ہو۔ بچپن

ہیں دین کی تعلیم بھی حاصل کر چکی ہو اور وہ گریجویٹ بھی ہو اور اسلامی اقدار کو پسند ہی نہ کرتی ہو۔ بلکہ اسلامی اقدار اس کی عملی زندگی میں بھی پائے جاتے ہوں تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے اندھیری کوٹھری میں ہیرا رکھا ہو۔ اور وہ چمک رہا ہو۔ چنانچہ احمد جمال ایک نوجوان تھا۔ تھا تو غریب باپ کا بیٹا۔ لیکن پڑھ لکھ کر بیمہ کمپنی میں مینجر ہو گیا۔ اس کے غریب باپ کے پاس تعلیم یافتہ لڑکیوں کے باپوں کی طرف سے پیغامات آنے لگے اور اس پیش کش کے ساتھ کہ جہیز میں یہ اور یہ ہوگا۔ باپ پھولا نہ سماتا۔ وہ ایسی لڑکی تلاش کر رہا تھا کہ جو مالدار باپ کی بیٹی بھی ہو اور تعلیم یافتہ بھی ہو، خدا معلوم کس کے کہنے سے بیٹے کا پیغام فردوس کے لئے دے دیا۔ فردوس کے والد صاحب نے پیغام پاتے ہی منظور کر لیا اور وہ تمام مطالبات بھی منظور کر لئے جو آج کل ہمارے معاشرے میں ایسے موقع پر کئے جاتے ہیں۔ یہ آپ کے سعید صاحب بھی وہیں تھے۔ چھ برس سے گیارہ برس تک کے لڑکوں اور لڑکیوں والے اسکول کو چلا رہے تھے۔ اس اسکول کی عمارت تو بڑی نہ تھی۔ لیکن احاطہ ایک بڑے رقبے میں تھا۔ برات آئی تو اسی احاطے میں ٹھہرنے کا انتظام کیا گیا۔"

"یوں کہئے کہ سعید صاحب کے سینے پر مونگ دلی گئی۔"

"جی ہاں اب تو میں بھی یہی سمجھتی ہوں کہ سعید صاحب کے سینے پر مونگ دلی گئی۔ لیکن فردوس کو نہیں معلوم تھا کہ سعید صاحب اس کے لئے دل میں کیا چیز پال رہے ہیں۔ بے شک رقابت کا معاملہ بڑا سخت ہوتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ براتیوں کے ٹھہرنے سے متعلق انتظامات انہی حضرت کے سپرد کئے گئے تھے۔ ہائے ہائے غریب کے لئے کتنی بڑی آزمائش تھی۔ سینے کے اندر ایک آگ سی لگ رہی

تھی اور خود کام میں مصروف تھا بقول کسی شاعر کے۔ ع

سینے سے جو لگائے ہوں غم وہ کم نہیں ہے
لیکن میں یوں دبائے ہوں جیسے غم نہیں ہے

فردوس کے والد اتنے تو مالدار نہ تھے کہ نوابوں کی طرح جہیز کا مظاہرہ کرتے یہ ٹھیک ہے کہ انھوں نے اپنی حیثیت سے بڑھ کر کیا۔ لیکن احمد جمال کے باپ کی نظر میں وہ سب غریبا مئو ہی رہا۔ اُسے بہت کچھ ملنے کی توقع تھی۔ اس کے ارمانوں پر پانی پھر گیا تو عین اس وقت جب ایجاب و قبول کا وقت آیا۔ اس نے ایسا مطالبہ کیا کہ فردوس کے والد کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ اور لوگ دنگ ہو کر رہ گئے۔ اس نے جہیز کے اس سارے سامان کے ساتھ پچیس ہزار روپئے نقد کا مطالبہ کر دیا۔

اب فردوس کے والد کی حالت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ ان کے پاس جو کچھ تھا بیٹی کے لئے داؤں پر لگا چکے تھے۔ پچیس ہزار روپیہ انھیں قرض نہیں مل سکتا تھا۔ وہ کلیجہ پکڑے ہائے ہائے کر رہے تھے بے بس ہو کر انھوں نے ٹوپی احمد جمال کے باپ کے پیروں پر ڈال دی کہ عزت آپ کے ہاتھ ہے۔ مگر وہ ظالم نہ پسیجا۔

ساڑھے نو بجے نکاح کا وقت تھا۔ وہ وقت ٹلا۔ دوپہر ہو گئی۔ ظہر کا وقت بھی گیا۔ عصر کی نماز کی اذان ہو چکی تھی کہ احمد جمال کے باپ نے اپنے لوگوں سے کہا کہ اٹھئے اور چلئے۔

براتی ابھی اُٹھے نہیں تھے کہ سعید صاحب بائیسکل پر سوار کہیں سے بدحواس

بھاگتے ہوئے آئے۔ انھوں نے بائیسکل روکی۔ کیریر سے اپنا تھیلہ اُتارا۔ اس میں سے کچھ عدالتی کاغذات نکالے اور احمد جمال کے باپ کے ہاتھ میں دے کر بائیسکل ہی پر واپس چلے گئے۔ احمد جمال کے باپ نے ایک نظر کاغذات پر ڈالی۔ خوشی سے اس کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے نکاح کی اجازت دے دی۔ کوئی کچھ نہ سمجھا کہ عدالت کے کاغذوں میں کیا جادو تھا۔

یہاں باہر سے گواہ اندر بھیجے گئے کہ لڑکی سے اِذن لے کر آئیں۔ وہاں کا حال سنئے۔ پچیس ہزار نقد کے مطالبے کی خبر اندر بھی پہنچ چکی تھی۔ اس خبر سے فردوس کی والدہ پر دورے پڑنے لگے تھے۔ بات عورتوں پر بھی عیاں ہو چکی تھی فردوس نے بھی سن گن پالی تھی۔

اب جو گواہ اندر گئے انھوں نے فردوس سے اِذن مانگا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ عورتوں نے سمجھایا۔ ماں باپ نے سمجھایا۔ بڑے بوڑھوں نے سمجھایا لیکن فردوس کسی طرح تیار نہ ہوئی۔ اسکا کہنا یہ تھا کہ دولت کے پجاریوں کے ساتھ میرا نباہ نہ ہوسکے گا۔

آپ کو سُن کر حیرت ہوگی کہ احمد جمال کا باپ گواہوں کے ناکام واپس آنے سے ذرا بھی چیں بجبیں نہ ہوا۔ جی ہاں! وہ مسکرایا اور برات واپس لے گیا۔

"پھر؟"

"پھر معلوم ہوا کہ اسی دن اُس نے نواب حسن خاں کی لڑکی سے بیٹے کا نکاح کرا دیا۔"

"میرا مطلب یہ کہ فردوس کا کیا بنا؟"

"فردوس کا کیا بنایا سعید کا؟"

"کیا معنی؟"

"بس یہی تو وہ نکتہ عروج ہے اس کہانی کا۔ عصر کے بعد کچہری کے کچھ لوگ مبارکباد دینے فردوس کے والد کے پاس آئے۔ ان کا خیال تھا کہ نکاح ہو چکا ہوگا۔ لیکن جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ برات واپس گئی تو ایک صاحب نے بتایا۔ پچیس ہزار کا باغ بھی ان کے ساتھ گیا۔

"کیا مطلب؟" بہت سے لوگوں کی زبان سے نکلا۔ انہی صاحب نے بتایا کہ سعید کے نانا نے ایک باغ اس کے نام کر دیا تھا۔ وہ باغ آج سعید نے احمد جمال کے نام رجسٹرڈ کرا دیا۔

"انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پھر کیا ہوا؟

"پھر کیا بتاؤں کیا ہوا۔ سعید صاحب کی اس قربانی کا حال لوگوں کو معلوم ہوا تو سب نے یہی رائے دی کہ بس اب اسی وقت احمد جمال کی جگہ سعید کو بٹھا دیا جائے اور نکاح کر دیا جائے۔ فردوس کے والد بھی اب راضی ہو گئے۔ سعید صاحب کی تلاش کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ گھر ہی نہیں گئے۔ کسی نے بتایا وہ تو بائیسکل سے اس سڑک پر کہیں گئے ہیں۔ اور حالت ایسی تھی کہ چہرہ پیلا تھا جیسے کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔

منیجر صاحب! اس کے بعد اس دیوانے کا پتہ نہ چلا۔ سعید کے ماں باپ بھی رو پیٹ کر گھر بیٹھ رہے۔ سب نے سمجھا کہیں ڈوب مرا۔ کسی کو نہیں معلوم کہ وہاں کا ڈوبا ہوا یہاں اُبھرا ہے۔"

"مگر سنئے تو پرنسپل صاحبہ! یہ بچی جسے آپ فردوس کی بھتیجی کہتی ہیں۔ آپ کے

پاس کیوں رہ رہی ہے؟"

"ہاں! یہ بھی سنئے۔ فردوس کا ایک بھائی تھا۔ یہ اس کی لڑکی ہے۔ کچھ دنوں کے بعد فردوس کے والدین کا آگے پیچھے انتقال ہوگیا۔ پھر اس بچی کی ماں بھی اللہ کو پیاری ہوگئی تو بھائی پاکستان چلا گیا۔ لڑکی کو فردوس نے پال لیا۔

"پھر؟"

"پھر کیا؟"

"یعنی میرا سوال یہ تھا کہ یہ لڑکی آپ کے پاس کیسے آئی؟"

"اوہ، دراصل بات یہ ہے کہ جب میں یہاں آئی تو میں نے ان حضرت کو دیکھا۔ ان کا ناک نقشہ فردوس نے مجھ سے بیان کیا تھا۔ مجھے شبہ ہوا۔ میں بقرعید کی تعطیل میں فردوس کے گھر گئی۔ اس سے تذکرہ کیا تو اس نے لڑکی ساتھ کردی۔ لڑکی فردوس کی ہمشکل ہے۔ جھڑوس اور جھونپڑی کے لقب اور چڑیا والا قصہ اس نے مجھے بتایا اور کہا کہ اگر وہ حضرت سعید صاحب ہی ہیں تو اس کو دیکھ کر ضرور چونکیں گے۔ چنانچہ میں نے آپ کے سامنے تجربہ کیا۔ اس تجربہ نے ثابت کیا کہ یہ غریب صاحب دراصل سعید ہی ہیں۔"

"اچھا، اتنا اور بتا دیجئے کہ فردوس کی شادی پھر ہوئی یا نہیں؟"

"شادی کے پیغامات تو آئے مگر فردوس نے شادی کرنے سے انکار کردیا۔ اور کہا میں یونہی رہوں گی۔"

"کیوں؟"

"جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ سعید کو اس سے اتنی محبت تھی کہ اپنا باغ اس

پر قربان کر دیا۔ تو اس پر دیوانگی سی طاری ہو گئی۔ عشق و محبت کے نام سے تو واقف نہ تھی۔ لیکن واضح ہوا کہ کسی سے کسی کو عشق کیسے ہو جاتا ہے۔"

"تو فردوس کیا کرتی ہے؟"

"سعید صاحب کے غائب ہونے کے بعد کچھ دن تو اس انتظار میں کٹے کہ شاید آج واپس آجائیں۔ کل واپس آجائیں۔ اس میں دو سال بیت گئے۔ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ سعید نے کہیں جان دے دی۔ اسکے والدین گم شدہ بیٹے کے غم میں پاگل ہو رہے تھے۔ دوسری طرف فردوس کے والدین اپنی کوفت میں مبتلا تھے۔ وہ اسی کوفت میں گھُل گھُل کر مر گئے۔ فردوس کی آنکھوں میں رونے کے لئے آنسو نہیں رہ گئے تھے۔ اب وہ فردوس اللہ کا نام لے کر اٹھی۔ سعید کا اسکول لاوارث کی طرح پڑا تھا۔ فردوس نے اپنے جہیز کا سامان بیچا۔ جو کچھ رقم ملی وہ اس نے اسکول میں لگا دی اور اب سعید کی اس یادگار کی پجارن بنی ہوئی ہے۔ اسکول پھر اسی شان سے چل رہا ہے۔ لطف یہ ہے کہ یہاں جس طرح اس مردہ روح سعید کے دم سے یہ اسکول ترقی پر ہے اسی طرح وہاں فردوس بھی ایک بے جان عورت سعید کے اسکول کو چلا رہی ہے۔"

وہ سعید کے ماں باپ کے ساتھ رہتی ہے۔ سعید کے باغ پر ہی گھر بھر کا گذارا تھا وہ نہ رہا تو اب فردوس کو اسکول سے جو آمدنی ہوتی ہے اسی میں سب کھا پی رہے ہیں۔

"اچھا، اب یہ بتائیے کہ ان دو مردہ روحوں کو زندہ کیسے کیا جائے؟"

"یہ بات پھر سوچی جائے گی۔ اس وقت تو یہ بتائیے کہ اگر ان ساری باتوں کو سعید میاں پر ظاہر کر دیا جائے تو کیا ردِ عمل ہو گا؟"

"ردعمل کچھ بھی ہو۔ ظاہر تو کروں گا اور اس کو نصیحت کروں گا کہ اے مردِ ناداں تو نے یہ کیا حماقت کی۔ اپنے کو تو برباد ہی کیا اور کتنوں کو سوگوار بنا دیا۔ پھر کوئی صورت نکالی جائے گی۔ ٹھیک ہے نا!"

"دیکھئے یکدم سب کچھ نہ کہہ دیجئے گا۔ اگر ایک ہی نشست میں آپ نے یہ سب بتا دیا تو سعید میاں دماغی توازن کھو بیٹھیں گے۔ وہ تو یہ سمجھتے ہیں کہ فردوس اپنی سسرال میں مزے کر رہی ہوگی۔

"اتنا میں سمجھتا ہوں۔ اچھا خدا حافظ۔ باقی پھر....."

(۵)

میں موقع کی تلاش میں رہا۔ جمعہ کے دن میں نے سعید صاحب کو گھیر لیا۔ میں نے بڑے جذباتی انداز میں کہا۔

"سعید صاحب! کتنے برس سے آپ یہاں ہیں۔ اس عرصے میں میرے آپ کے تعلقات کچھ اس طرح ہو گئے جیسے ہم دونوں بھائی بھائی ہوں۔"

"اس میں کیا شک ہے۔"

"اور پھر یہ کہ میں عمر میں آپ سے بڑا ہوں۔"

"یہ بھی ظاہر ہے۔" سعید صاحب مسکرائے۔

"تو بڑے بھائی کا چھوٹے بھائی پر کچھ حق ہوتا ہے؟"

"بے شک ہوتا ہے۔"

"اگر میں اپنا حق آپ سے طلب کروں تو آپ کا کیا فرض ہے؟"

"میں کچھ نہ سمجھ سکا کہ آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ میں نے اس دس بارہ

برس کے عرصے میں کوئی ایسی بات نہیں کی کہ آپ کو میری وجہ سے شرمندہ ہونا پڑا ہو۔ پھر یہ کہ میں نے آپ کی کوئی نافرمانی بھی نہیں کی۔ آپ کی ہمدردیاں میرے ساتھ ایسی رہیں کہ میں بزباش والے برادر خورد مباش کا بھی مصداق نہیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں نے اپنے دل کی جو بات آپ کے سامنے رکھی آپ نے کسی تامّل کے بغیر مان لی۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میری طرف سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو آپ فرمائیں۔"

"اگر آپ واقعی مجھے بڑا بھائی سمجھتے ہیں تو میں کہوں گا کہ آپ کی طرف سے ایک کوتاہی برابر ہوتی چلی آرہی ہے۔ آپ مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں لیکن صلاحیت میں زیادہ۔ اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ اگر آپ کی کوتاہی آپ پر واضح کروں تو آپ کو صدمہ پہنچے گا۔"

"میں نے جان بوجھ کر کوئی ایسی کوتاہی نہیں کی لیکن بالفرض مجھ سے کوئی ایسی کوتاہی ہو رہی ہے تو میں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔"

"جزاک اللہ! آپ بہت ہی صالح نوجوان ہیں۔ تو کیا اجازت ہے کہ میں آپ کے سامنے وہ بات رکھوں جو مجھے کھٹک رہی ہے۔"

"ضرور ارشاد فرمائیں۔" سعید صاحب نے کہا اور گھبرا سے گئے۔ میری طرف بڑے غور سے دیکھنے لگے۔ کچھ گھبراہٹ کچھ حیرت ان کے چہرے سے ظاہر ہونے لگی۔ میں نے ان کی نظروں سے نظریں ملائیں اور کہا۔

"آپ نے اپنی زندگی کے پورے حالات مجھے نہیں بتائے۔ مجھے آپ سے یہ شکوہ ہے۔"

"پورے حالات؟" سعید صاحب کے چہرے پر گھبراہٹ اور حیرت کچھ اور

بڑھی بولے:۔

"عرض تو کئے تھے۔ جو کچھ عرض کیا اس کے علاوہ میری زندگی میں کوئی ایسی بات نہیں جو قابل ذکر ہو۔"

"ہے!"

"کیا؟"

"یہ کہ فاطمہ فردوس کی شادی کے موقع پر جب لڑکے والوں کی طرف سے جہیز کے علاوہ پچیس ہزار کی مانگ ہوئی تو آپ نے اپنا باغ پچیس ہزار کے عوض لکھ دیا اور آپ وہاں سے چلے آئے۔"

اچانک یہ بات میں نے ان پر ظاہر کی تو میں نے دیکھا کہ سعید صاحب کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ان کا چہرہ اداس ہوگیا۔ روندھی ہوئی آواز میں بولے:۔

"یہ بات آپ کو کیسے معلوم ہوئی؟"

"مجھے پرنسپل صاحبہ نے بتایا۔"

"اور انھیں کس نے بتایا؟"

"فاطمہ فردوس نے۔"

"فاطمہ فردوس سے ان کا کیا تعلق؟"

"وہ دونوں ایک ساتھ ٹریننگ اسکول میں تھیں۔ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد بھی دونوں میں سہیلا رہا۔ دونوں ایک دوسرے سے اپنے اپنے حالات بتایا کرتی ہیں۔"

"ہاں، اُس موقع پر یہ کام میں نے کیا تو لیکن میں نے پڑھا ہے کہ نیکی کر اور

دریا میں ڈال۔ اسی پر عمل کیا۔ ہمارے مذہب میں بھی اس بات کو اچھا سمجھا گیا ہے کہ اگر تم سے کوئی اچھا کام ہو جائے تو اس پر شکر ادا کرو اور اسے چھپاؤ۔ حدیثوں میں کچھ اس طرح کے الفاظ ہیں۔ کہ دائیں ہاتھ سے نیکی کرو تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو"۔

"سعید صاحب! آپ بھولتے ہیں۔ آپ نے یہ ایثار اللہ کی خوشی کے لئے نہیں کیا بلکہ جذبات میں آکر کیا آپ نے جذبات کی رو میں ایک بڑا ظلم کیا ہے"۔

"ظلم؟"

"جی ہاں، ظلم! آپ نے جذبات میں آکر یہ بھی نہ سوچا کہ باغ ختم کرنے کے بعد آپ کے ماں باپ کا کیا بنے گا۔ آپ نے اپنے ماں باپ کو رزق کے ذریعہ سے محروم کر دیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا تھا۔ پھر آپ وہاں سے ایسے بھاگے کہ ان غریبوں کی خبر بھی نہ لی مرے یا جیے اور یہ کہ ان بیچاروں نے زندگی کیسے بسر کی ہوگی۔ اور یہ کہ آپ کے غم میں ان کا کیا حال ہوا ہوگا۔ افسوس صد افسوس! کتنا بڑا گناہ آپ سے سرزد ہوا اور آپ نے مجھے اس کی چھاؤں تک نہ دی۔ دعویٰ فرما رہے ہیں کہ آپ میرے چھوٹے بھائی ہیں۔ ایک قلیل کفاف پر یہاں سادہ زندگی بسر کرتے رہے۔ میں سمجھا کہ آپ بیک بینی و دو گوش ہیں۔ اگر آپ بتا دیتے تو میں اتنا دے سکتا تھا کہ آپ والدین کے لئے کچھ نہ کچھ بھیج سکتے۔ آپ کو فاطمہ فردوس کی زندگی بنانے کی تو اتنی فکر تھی لیکن ماں باپ کی محرومی پر ترس نہ آیا۔ پرنسپل صاحبہ آپ کو مرد ناداں اور ناسمجھ انسان کہتی ہیں تو بیجا نہیں کہتیں اور میرا تو یہ احساس ہے کہ آپ فاطمہ فردوس کی محبت میں بری طرح گرفتار تھے جس کا شعور آپ کو بھی نہ تھا۔ آپ نے اعتدال کی راہ اختیار نہیں کی۔ ماں باپ کی خدمت

فرض تھی. فاطمہ فردوس زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ محلے کی ایک لڑکی تھی. اس پر احسان کرنا بس نفل ہی تو ہوسکتا ہے. آپ نے نفل کو فرض پر ترجیح دی. اللہ تعالیٰ قیامت میں آپ سے پوچھے گا. آپ اپنے بڑے بھائی کو بتائیں کہ آپ کیا جواب دیں گے.....؟"

میں جذبات کی رو میں خدا جانے اور کیا کہتا رہا. سعید صاحب سر جھکائے سنتے رہے. ان کی چوری ان کے سامنے کھول دی گئی تھی. جب میں دل کی بھڑاس نکال کر چپ ہوا تو اُٹھ کر اندر چلا گیا. وہاں میں نے ایک برقع پوش عورت کو دیکھا. بیوی سے پوچھا کون ہے؟ معلوم ہوا کہ پرنسپل صاحبہ ابھی آئی ہیں میں نے ان سے بتایا کہ میں نے یہ اور یہ سعید صاحب سے کہا. پرنسپل صاحبہ گھبرائیں نشست گاہ کی طرف دوڑیں. پیچھے میں اور میری بیوی دونوں چلے. وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ سعید صاحب چارپائی پر بیہوش پڑے ہیں.

پرنسپل صاحبہ نے مجھ سے کہا:

"آپ نے اچھا نہیں کیا کہ سب کچھ ایک ہی نشست میں بتا دیا. غنیمت ہوا کہ آپ نے اس حادثہ کا ذکر نہیں کیا کہ فاطمہ فردوس کی شادی نہیں ہوئی. اچھا اب آپ جلد سے جلد حکیم یا ڈاکٹر کو بلائیے."

یہ کہہ کر پرنسپل صاحبہ نے سعید صاحب کے دل پر ہاتھ رکھ دیا. پکارنے لگیں سعید میاں! سعید میاں! انھوں نے سسکی بھری اور ہچکیاں لینے لگیں. میں بھاگا بھاگا ایک بوڑھے اور تجربہ کار حکیم جو میرے بزرگوں میں تھے اور خدمت خلق کے طور پر پریکٹس کر رہے تھے. ان کے پاس پہنچا. ان سے شروع سے آخر تک سارے

حالات کہے۔ انھیں ساتھ لیا اور گھر آیا۔ یہاں سعید صاحب کو ہوش آ چکا تھا۔ لیکن وہ ابھی تک گم صُم تھے۔ پرنسپل صاحبہ نے ہمیں دیکھا تو ایک طرف سمٹ گئیں۔ حکیم صاحب نے آکر نبض دیکھی۔ نسخہ لکھا۔ فرمایا کہ یہ نسخہ پلاؤ۔ نسخہ لے کر میں حکیم صاحب کے ساتھ گیا۔ راستے میں کہنے لگے۔ دل پر براہ راست چوٹ پڑی ہے۔ لیکن خطرہ نہیں ہے۔ ہاں اگر تم وہ بات بھی بتا دیتے کہ فاطمہ فردوس کی شادی نہیں ہو سکی اور وہ وہاں تمہارا نام لے کر جی رہی ہے تو یقیناً ہارٹ فیل ہو جاتا۔

میں حکیم صاحب کے یہاں سے دوا لے کر آیا۔ اپنی بیوی کو دوا دی۔ بیوی لے کر اندر چلی گئیں۔ اُنکے پیچھے پرنسپل صاحبہ بھی۔ اندر سے دوا بن کر آئی میں نے سعید صاحب کو پلائی اللہ کا شکر ہے کہ کچھ سکون ہوا۔ شام تک دو تین بار دوا پینے سے وہ بحال ہو گئے۔ اطمینان ہو جانے پر پرنسپل صاحبہ چلی گئیں اور مجھ سے کہتی گئیں کہ مجھ سے مل لیجئے گا۔

ان کے جانے کے بعد میں نے سعید صاحب سے حال پوچھا۔ ان کی زبان سے نکلا، الحمد للہ۔ اس کے بعد میں نے ان کے سامنے یہ پیش کش رکھی کہ میں ان کے ماں باپ کے لئے کچھ رقم بھیجدوں۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ یہ مجھ پر حق ہے۔ کیونکہ میں آپ کا بڑا بھائی ہوں جس کا اقرار آپ کر چکے ہیں۔

سعید صاحب کچھ نہ بولے۔ جانے کی اجازت چاہی تو میں نے روک لیا۔ اور کہا کہ آج یہیں آرام فرمائیں۔ کل جب مدرسہ کھلے تو چلے جائیے گا۔ سعید صاحب راضی ہو گئے۔ پھر میں نے ان سے کسی طرح کی بات نہیں کی۔ دوسرے دن میں نے ان کے والد صاحب کی خدمت میں منی آرڈر کر دیا۔ کوپن میں لکھ دیا کہ یہ آپ کے لئے ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ آپ کا سعید یہاں ہے۔ میں ڈرا کہ کہیں وہاں اچانک

سعید کا حال معلوم ہو تو شادیِ مرگ کی سی کیفیت ہو جائے۔ خدانخواستہ۔

(۶)

"پرنسپل صاحبہ! آپ سعید صاحب کو دیکھ رہی ہیں۔ ان کی حالت کیا ہوتی جارہی ہے۔"

"جی ہاں! دیکھ رہی ہوں۔ سوچ اور فکر کے آثار چہرے پر نظر آنے لگے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ "آدمی" بننے لگے۔"

"آدمی؟ اور اب تک کیا تھے؟"

"ایک بُت۔ پتھّر کی مورت۔ جو نہ کچھ بولے نہ کچھ سنے۔ نہ کچھ دیکھے اور نہ سوچے۔ اب تو ماشاءاللہ، گھنٹوں بیٹھے کچھ سوچتے رہتے ہیں اور جہاں تک میرا خیال ہے وہ یہ سوچتے ہیں کہ انھوں نے جو کچھ کیا جذبات میں آکر کیا۔ میں ان کی اس سوچ کو ان کے لئے فال نیک سمجھتی ہوں۔"

"میرا خیال کچھ اور ہے۔"

"کیا؟"

"یہ کہ اُس دن جو میں نے ان کا سارا کچا چٹّھا ان کے سامنے کھول کر رکھ دیا تو اب وہ اپنے کو محجوب اور شرمسار پا رہے ہیں۔ میرے سامنے آنے سے جھجکتے ہیں بہت کم باتیں کرتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ہو لیکن ذرا اس تبدیلی کو ملاحظہ فرمائیں۔ ایک دن وہ تھا کہ آپ سے کھل کر باتیں کرتے تھے اور مجھ سے بیزار رہتے تھے۔ اب آپ کے پاس بیٹھنے سے گھبراتے ہیں اور مجھ سے باتیں کرنے کا بہانہ ڈھونڈا کرتے ہیں۔

پرنسپل صاحبہ! دیکھئے، یہ بات یوں ہونا چاہیئے۔ نصاب میں یہ تبدیلی ہو جائے تو اچھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک معلمہ کی اور ضرورت ہے۔ آپ بہت کام کرتی ہیں آپ کے لئے ایک معاون کی ضرورت ہے۔

یہ اور ایسی ہی باتیں مجھ سے کبھی زبانی اور کبھی تحریری طور پر کرتے رہتے ہیں مجھ پر کتنا مہربان ہو گئے ہیں۔ خیر اچھا ہے کچھ بولے تو۔ ہم اس پر یہ سمجھیں کہ :-

راہ پر اُن کو لگا لائے تو، ہیں باتوں میں
اور کُھل جائیں گے دو چار مُلاقاتوں میں

"میں اپنے اور آپ کے اس مردناداں کا ایک دلچسپ واقعہ سناؤں۔ ابھی پرسوں انٹرول میں مجھ سے فرمانے لگے کہ میں تنہائی میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ اگر اجازت دیں تو دولت خانہ پر حاضر ہو جاؤں"۔

اس کا جواب میں نے جو دیا، وہ سنئے۔ اس کے بعد اس غریب کی حالت کا اندازہ لگائیے کہ کیا ہوئی ہوگی۔ میں نے جواب دیا" سعید صاحب! آپ کو معلوم ہے۔ کہ جب دو نامحرم تنہائی میں بیٹھتے ہیں تو تیسرا ان کے ساتھ شیطان بھی آبیٹھتا ہے"۔ مجھ سے یہ سننا تھا کہ یکدم چہرہ پیلا پڑ گیا۔ پھر فرمایا۔ کچھ ضروری باتیں اپنے بارے میں کرنا چاہتا ہوں۔ بے چارے سعید صاحب کی حالت پر ترس تو آیا مگر میں نے بڑے تیکھے پن سے کہا :-

" تو منیجر صاحب کے ساتھ آئیے نا! وہ تو آپ کے ہمدرد ہیں"۔ میرا یہ مشورہ انھوں نے قبول نہیں کیا۔ میں نے ملنے سے انکار کر دیا۔ اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ حضرت کا دل کیا کہتا ہوگا۔

"آپ نے ظلم کیا بے چارے پر۔ ذرا اس غریب کے دل کی باتیں سن تو لیتیں"۔
"کیا کرتی سن کر۔ جانتی ہوں۔ کیا کہتے۔ آپ فردوس سے ملنے کب گئی تھیں؟
فردوس اپنے شوہر کے ساتھ خوش ہے؟ میرے والد صاحب کا کیا حال ہے؟ اور وہاں
میں نے جو مدرسہ قائم کیا تھا وہ ٹھیک سے چل رہا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ بقول کسی شاعر کے۔"

او دیس سے آنے والے بتا ؛ کس حال میں ہیں یاران وطن ؟

"تو پھر اب کیا کرنا چاہیئے ؟"

"میرا اندازہ یہ ہے کہ اب سعید صاحب یہاں ٹھیک سے کام نہیں کر سکتے۔
ان کا ذہن اب منتشر ہو چکا ہے وہ اب کچھ یہاں کی سوچتے ہیں اور کچھ سے بہت
زیادہ وہاں کی سوچتے ہیں۔ ذہن کے انتشار کی حالت یہ ہے کہ اکثر یہاں اور وہاں
کی باتیں گڈ مڈ کر دیتے ہیں۔ ایک دن میں ایک کام سے پردے کے پاس گئی۔ پردہ
ہٹا کر چپک سے دیکھا تو حضرت ایک نقشہ بنا رہے تھے۔ میں نے پوچھا:
"سعید صاحب! یہ نقشہ کیسا بن رہا ہے ؟" چونک پڑے۔ اسی اسکول کا نقشہ ہے۔

"اس اسکول کا نقشہ تو موجود ہے!"

"سوچا کہ ایک اور بنا لوں!"

"کیوں ؟"

"داشتہ آید بکار!"

"نقشہ نویس سے کیوں نہ بنوا لیا!"

"اس وقت مجھے فرصت تھی!"

"ماشاء اللہ! آپ کو فرصت ملنے لگی ؟"

یہ چٹکی میں نے لی تو نقشہ ایک طرف رکھ دیا اور پوچھنے لگے۔ فرمایئے میرے لائق کوئی خدمت؟ منیجر صاحب دیکھ رہے ہیں. گفتگو کا رنگ بدل رہا ہے. کہاں یہ دوری کہ جو کچھ کہنا ہو لکھ کر دیجئے اور کہاں یہ نزدیکی کہ میرے لئے کوئی خدمت۔

یہ سُن کر میں نے طنز کیا۔"آپ اسکول کے ناظم ہیں. آپ حکم دیں. خدمت کے لئے تو ہم اُستانیاں ہیں۔"

کسی تمہید کے بغیر کہنے لگے۔"اب آپ فردوس سے ملنے جائیں تو یہ نقشہ لیتے جائیں وہاں بھی ایسا ہی ایک اسکول آپ نے دیکھا ہوگا۔ وہاں کے ناظم کو دیدیجئے گا۔"

"تو کیا جب آپ وہاں سے تشریف لائے تھے، کسی کو اپنا جانشین بنا دیا تھا آپ نے؟" میں نے ایک تیر اور ان کے دل پر مارا۔ آہستہ سے آہ کر کے رہ گئے۔ اُداس ہو کر پوچھنے لگے"جب آپ وہاں جاتی ہیں تو کسی اور سے بھی ملتی ہیں۔"

"اور کون؟" میں نے پوچھا۔ رُندھی ہوئی آواز میں بولے" وہاں.... وہاں ..... میرے گھر.... گھر والے ..... اس کے آگے کچھ نہ کہہ سکے۔ آنسو ٹپ ٹپ گرانے لگے۔ وہ تو اچھا ہوا۔ اس وقت گھنٹی بجی۔ انٹرول ختم ہوا۔ میں اپنے کمرے میں چلی آئی۔ سعید صاحب کو اسی حال میں چھوڑ کر۔

تو منیجر صاحب! آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ آج کل یہ حضرت کیا سوچتے رہتے ہوں گے۔

گھر یاد آنے کے معنی یہ ہیں کہ گھر انھیں کھینچے گا۔ آپ ان کی جگہ کے لئے کسی شخص کا انتظام کر لیجئے۔ اب یہ حضرت آپ کے ہاتھ سے گئے۔"

پرنسپل صاحبہ نے سعید صاحب کے خیالات اور جذبات کا تجزیہ کر کے یہ نتیجہ

نکالا تو مجھے فکر لاحق ہوگئی کہ اگر سچ مچ سعید صاحب یہاں سے چلے گئے تو کون یہ مدرسہ سنبھالے گا۔ میں نے پرنسپل صاحبہ سے کہا " کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ حضرت جذبات کی رَو میں کس دن بہہ جائیں۔ اور اس سے پہلے کہ ہم ان کی جگہ کے لئے دوسرا شخص نہ رکھ سکیں اور وہ یہاں سے چلدیں تو کیا بنے گا۔ آپ کی نظر میں کوئی ہے؟"

" ضرورت رُکی نہیں رہتی۔ کوئی نہ کوئی خالی جگہ کو پُر کر ہی لیتا ہے۔ دنیا کا نظم کچھ اسی طرح کا ہے۔ کسی نے کتنی سچی بات کہی ہے ؎

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی
ہزاروں اُٹھ گئے لیکن وہی رونق ہے مجلس کی

" اگر آپ کی رائے ہو تو انھیں یہ مشورہ دیا جائے کہ کچھ دنوں کے لئے گھر ہو آئیں؟"

" نہ میری رائے یہ نہیں ہے۔ انھیں خود کہنے دیجئے۔ وہ آپ سے کہیں گے۔ ہاں ایک نزاکت کا بندوبست کرنا ہے۔"

" وہ کیا؟"

" یہ کہ یہ حضرت گھر جائیں گے تو فردوس کے سارے حالات ان کے سامنے آئینہ ہو جائیں گے۔ ماں باپ کا جو حق انھوں نے ادا نہیں کیا ہے اس کا بھی ان پر اثر ہوگا۔ فی الحال تو یہ حضرت " نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن " کے مصداق ہیں۔ کبھی سوچتے ہوں گے کہ وہاں جا کر ماں باپ کو کیا منھ دکھائیں گے اور پھر یہ کہ ان کے ذہن میں فردوس کا شوہر رقیب کی صورت میں ہوگا تو یہ حضرت جلد کوئی فیصلہ نہیں کر سکیں گے۔ ان کے لئے راستہ ہم کو آپ کو نکالنا ہوگا۔ اگر آپ مجھے ایک ہفتہ کی چھٹی دیدیں تو میں فردوس سے مل آؤں۔ اس سے بھی مشورہ کرلوں۔ ہاں سب کو ان کی آ۔

کے لئے تیار کردوں۔ پھر آکران کا ذہن وہاں جانے کے لئے تیار کردوں تاکہ یہ مردِ ناداں وہاں کے حالات کا مقابلہ کرسکے۔"

"چھٹی تو آپ ناظم صاحب سے مانگئے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ پرنسپل صاحبہ بھی ہنس دیں۔ اس کے بعد بولیں کہ اب اجازت دیجئے۔ اور ہاں، کیا آپ مجھے یہ شرف بخشیں گے کہ اب کی بار جب میں فردوس سے ملنے جاؤں تو آپ رعنا باجی کو میرے ساتھ کردینگے۔

"اگر یہ جانا چاہیں تو میں بخوشی بھیجدوں گا۔ اچھا ہے ذرا تفریح ہوجائے گی۔"

"شکریہ۔ السلام علیکم۔"

پرنسپل صاحبہ کے جانے کے بعد میں نے بیوی سے کہا۔ ہو نہو۔ یہی فردوس ہے تم ضرور ضرور جانا اور دیکھنا کہ وہاں کوئی فردوس ہے بھی کہ نہیں؟"

"یہ فردوس تو نہیں ہے کیونکہ عورت اس طرح منصوبہ بنا کر کام نہیں کرتی۔ آپ مرد ہیں۔ عورت کا دل مرد کی طرح نہیں ہوتا۔ عورت تو جو کچھ کرنا چاہتی ہے کر گذرتی ہے۔ یہ نفسیاتی گفتگو اور اتنا لمبا ڈرامہ کہاں کرتی ہے۔ اگر یہ فردوس ہوتی تو اس سے ضبط نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ رفتہ رفتہ انکشاف رازِ محبت کے مارے کے بس کا نہیں۔"

رعنا نے یہ کہا تو میں خاموش ہوگیا۔

(۷)

"آپ بہت جلد واپس آگئیں۔" اچھا ہوا۔ آپ جلد آگئیں۔ سعید صاحب نے کئی بار آپ کو پوچھا۔ انہی حضرت نے آپ کے آنے کی خبر دی۔" میں کئی جملے ایک ساتھ کہہ گیا۔

"خوب۔ سعید صاحب نے مجھے پوچھا؟ شکریہ! مجھ کو پوچھا تو مہربانی کی! اچھا لیجئے

اس مہربانی کا معاوضہ"!

پرنسپل صاحبہ نے پردے سے باہر ہاتھ نکالا۔ ایک لفافہ ان کے ہاتھ میں تھا اس سے پہلے کہ میں لفافہ لوں سعید صاحب نے بڑی بے چینی کے ساتھ ہاتھ بڑھا کر لے لیا۔

"کس کا ہے خط؟"

"خط تو ہے سعید صاحب کے والد صاحب کا لیکن لفافے پر دیکھئے "منیجر صاحب" لکھا ہے"!

سعید صاحب نے ایک نظر لفافے پر ڈالی۔ پھر مجھے دے دیا۔ میں نے لفافہ چاک کیا۔ خط نکالا۔ سعید صاحب نے مجھ پر نظریں جما دیں۔ میں خط پڑھنے لگا۔ لکھا تھا۔

"پیارے بیٹے!......" القاب پڑھ کر میں نے سعید صاحب سے کہا: "لیجئے آپ کے نام ہے" اور پھر ہم دونوں خط پڑھنے لگے۔

"پیارے بیٹے! اللہ کا شکر ہے کہ تم زندہ ہو۔ اللہ تم کو بہت دنوں زندہ رکھے۔ تم نے جو روپئے بھیجے وہ مجھے مل گئے۔ وہ منیجر صاحب جنھوں نے روپئے بھیجے یقیناً تم ہی ہو۔ اس بھری پُری دنیا میں جو میرے لئے بالکل خالی خولی ہے۔ تمہارے سوا کون ہو سکتا ہے، جو میرے لئے رقم بھیجے میرا یہ قیاس غلط نہیں ہو سکتا۔ ان روپوں میں میں نے تمہاری خوشبو پائی ہے......!

میرے گم شدہ بیٹے! میرے اس جملے پر ہنس نہ دینا۔ مجھ پر سٹھیا جانے کا طنز نہ کرنا۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح نبی نہیں۔ آنحضرت نے اپنے یوسف گم گشتہ کی خوشبو کوسوں دور سے سونگھ لی تھی۔ وہ پیغمبر تھے۔ ان کا یہ احساس

اللہ کی طرف سے ایک خاص عطیہ تھا لیکن میں بھی تو اپنے یوسف گم گشتہ کا باپ ہوں بیٹا! بہت بوڑھا ہو گیا ہوں، جسم میں جان بس سانس کی طرح ہے۔ آنکھوں میں آنسو زیادہ ہیں، روشنی کم ہے، بالکل دھندلا دھندلا دکھائی دیتا ہے۔ تمہارا خط فردوس نے پڑھ کر سنایا۔ اس کا بھی خیال ہے کہ یہ مینجر صاحب تم ہی ہو۔ ہم دونوں کو اللہ جانے کیوں یقین ہے کہ تم زندہ ہو اور شاید اسی لئے ہم دونوں زندہ ہیں ورنہ...........

- -

- -

- -

- -

خط میں یہ کئی سطریں اور لکھی گئی تھیں جنھیں بُری طرح کاٹ دیا گیا تھا۔ نگاہیں جما جما کر پڑھیں، پھر بھی کچھ پڑھا نہ جا سکا۔ خط کو آسمان کی طرف کر کے پڑھا۔ پھر بھی ناکامی ہوئی۔ عبارت واقعی بُری طرح کاٹی گئی تھی۔ بہت محنت کی تو جستہ جستہ یہ الفاظ سمجھ میں آئے۔...... میرے پاس...... رہتی...... انتظار...... کنواری...... حافظ شیرازی...... حافظ شیرازی کے نام سے وہ شعر ہم دونوں نے سمجھ لیا جو نیچے لکھا تھا۔ یعنی ؎

یوسف گم گشتہ باز آئد بکنعاں غم مخور
کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں، غم مخور

کٹی ہوئی عبارت نہ پڑھ سکے تو ہم دونوں بڑی حسرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ سعید صاحب آبدیدہ تھے، ان کی آنکھوں میں آنسو باہر نکلنے کو مچل

رہے تھے۔ پردے کے اندر پرنسپل صاحبہ شائد ہمیں دیکھ رہی تھیں۔ بولیں:۔
"آپ نے خط پڑھ لیا؟"
"جی ہاں، پڑھ تو لیا۔" میں نے جواب دیا۔ "مگر یہ نیچے کی عبارت بُری طرح مجروح کردی گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اہم بات اس کے اندر ہے جو پہلے روا روی میں لکھی گئی، پھر لکھنے والے نے بُری طرح کاٹ دیا۔"
"اور میرا نفسیاتی مطالعہ یہ ہے کہ ایسے موقع پر انسان میں کھوج اور کھوج کے بعد بے چینی بھی بڑھ جاتی ہے۔ میں آپ دونوں صاحبان کو دیکھ رہی تھی۔ آپ خط پڑھ رہے تھے۔ میں آپ صاحبان کو پڑھ رہی تھی۔" پرنسپل صاحبہ نے جواب دیا اور سعید صاحب آپ ہی آپ بڑبڑانے لگے۔
"یہ تو ظاہر ہے کہ خط فردوس نے لکھا ہے۔ میرے اب ..... میرے اب ..... میرے ابا جان ....." اور وہ بچوں کی طرح رو پڑے۔ وہ روتے رہے اور اپنے کو سنبھالنے کی کوشش کرتے رہے۔ اس کوشش میں کئی منٹ گذر گئے اچانک پردے کے اندر سے آواز آئی۔ ۔ خود کردہ را علاجے نیست!
"اچھا لیجئے۔ آ... آ.... آپ .... چا.... چاء.... پی ...." اور پھر آواز سسکیوں میں تبدیل ہوگئی۔ ہم سمجھ گئے کہ پرنسپل صاحبہ بھی رو رہی ہیں۔ ٹرے میں نے لے لی۔ دو پیالیوں میں چاء انڈیلی۔ ایک اپنے آگے رکھی اور ایک سعید صاحب کے آگے بڑھادی۔ اب میں یہ انتظار کرنے لگا کہ سعید صاحب چاء پئیں تو میں بھی پیوں۔ سعید صاحب نے پرنسپل صاحبہ کی سسکیاں محسوس کیں تو ان کے آنسو یکدم خشک ہوگئے اور پردے کی طرف آنکھیں پھاڑ کر تکنے لگے

مجھے یہ امید نہ تھی کہ پرنسپل صاحبہ جیسی مضبوط دل و دماغ کی عورت بھی رونے لگے گی۔ میں نے کہا:۔

"پرنسپل صاحبہ! آپ بھی رو رہی ہیں؟"

"تو کیا میں انسان نہیں ہوں۔ میرے سینے میں بھی انسانوں کی طرح دل ہے۔ ایک دکھی شخص کو دیکھ کر دکھی ہونا فطری بات ہے۔ اس میں آپ کو حیرت اور تعجب کیوں ہے۔ تعجب تو اس پر ہونا چاہیئے جس کے سینے میں دل نہ ہو۔ جیسے یہ ہمارے سعید صاحب۔ ان سے پوچھیئے، یہ کیوں روتے ہیں؟"

"میں کیوں روتا ہوں۔ آپ کی نظر میں میں انسان نہیں۔ میرے ضعیف باپ کا خط میرے سامنے ہے۔ برسوں بعد میرا باپ مجھے مخاطب کر رہا ہے۔ آپ بھی خوب ہیں۔ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔

"ماشاءاللہ...... پرنسپل صاحبہ کہنے لگیں۔" لیجیئے، گونگے بولنے لگے.......

.... آپ پوچھتے ہیں کہ آپ کے رونے پر تعجب کیوں ہے۔ میں کہتی ہوں۔ بیشک ہونا چاہیئے۔ آج آپ کس درجہ سعادت مندی کا اظہار فرما رہے۔ کل، جی ہاں وہ کل جس کو دس بارہ برس سے زیادہ ہو گئے۔ یاد نہیں۔ جب اس باپ کو تباہ کر کے گھر سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور پھر خبر بھی نہ لی کہ وہاں کون مرا اور کون جیتا ہے۔

وہ انسانیت اس دن کہاں چلی گئی تھی۔ جب آپ نے اپنا باغ فردوس کے ہونے والے دولہا کے نام لکھ دیا تھا۔ حالانکہ آپ کو کچھ نہیں معلوم کہ کچھ دیر کے بعد کیا ہوا۔ آپ نے ایک تیر سے کس کس کے کلیجے چھلنی کئے۔ یہ آپ کو کیا خبر۔ اگر مینجر صاحب منی آرڈر نہ بھیجتے تو ان بے چاروں کو۔ جو آپ کے لئے بارہ برس سے رو رہے ہیں۔ آپ کے

زندہ ہونے کا پتہ بھی نہ چلتا۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے کہہ دیا کہ ہاں وہ حضرت وہاں ہیں۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ ان کے جانے کے بعد یہاں جو حادثہ ہوا وہ انھیں معلوم ہے۔ میں نے کہا، وہ کیا جانیں۔"

جیسے کوئی کسی کی طرف سے بھرا بیٹھا ہو اور موقع پاکر وہ سب کچھ کہہ دینا چاہتا ہو جو اس کے دل میں ہو۔ اس وقت پرنسپل صاحبہ کچھ ایسے ہی جذبے میں تھیں لفظ حادثہ، ان کی زبان سے نکلا تو سعید صاحب یک دم بول پڑے۔

"حادثہ۔ کیسا حادثہ؟ فردوس بخیریت ہے؟ اس کے بال بچے بخیریت ہیں؟ وہ اپنے شوہر کے ساتھ آرام سے ہے؟"

اور جواب سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہو گئے۔

"چہ خوش! جس کی شادی ہی نہ ہو سکی ہو اس کے بال بچوں کا سوال ہی کیا؟" آخر پرنسپل صاحبہ نے راز فاش کر ہی دیا۔

"کیا فرماتی ہیں آپ!" سعید صاحب گھبرا گئے۔

"میں کیا جانوں کیا ہوا؟" پرنسپل صاحبہ نے عام عورتوں کی طرح جواب دیا۔

"کیا پچیس ہزار نقد کے علاوہ اور مطالبہ ہو گیا!"

"میں کچھ نہیں جانتی۔ خط لکھ کر پوچھ کیوں نہ لیجئے۔ دو دن کے لئے چلے کیوں نہیں جاتے۔ مگر آپ کیا منھ لے کر جائیں گے، باپ کو کیا منھ دکھائیں گے۔"

"کیا اس وقت یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ مجھے اس طرح مخاطب نہ فرمائیں جس طرح ہمیشہ روکھے پن سے پیش آتی رہیں۔ آپ میرے دل کا حال نہیں جانتیں۔ صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ میں بے حد غم زدہ ہوں۔"

"اور دنیا میں سب خوش خوش رہ رہے ہیں۔ ذرا جا کر اپنے باپ کو دیکھئے۔ غریب فردوس کو دیکھئے۔"

"پرنسپل صاحبہ! معاف فرمائیے۔ فردوس کیوں غریب ہونے لگی۔ غریب تو میں ہوں۔ ان کے بزرگوں نے مجھے غریب سمجھ کر......"

"کہئے کہئے، خاموش کیوں ہو گئے۔ آپ کو غریب سمجھ کر فردوس کے ساتھ منسوب کیوں نہ کیا۔ یہی تو کہنا چاہتے ہیں نا! جواب سنئے گا۔ بہت اچھا کیا کہ آپ کو اپنی بیٹی نہیں دی۔ آپ ایک جذباتی آدمی ہیں۔ جذباتی آدمی کا دل آگے ہوتا ہے اور دماغ پیچھے۔ ایسے شخص کا کیا اعتبار۔ خدا جانے وہ کس وقت کیا کر بیٹھے۔"

"دیکھئے، آپ غصہ نہ کیجئے۔ آخر آپ کو مجھ پر ترس کیوں نہیں آتا۔ میں نے جو کچھ کیا وہ کیوں کیا۔ یہ آپ کو کیسے بتاؤں۔ آپ براہ کرم مجھے بتائیں کہ کیا حادثہ پیش آیا۔ اور فردوس کی شادی کیوں نہ ہو سکی۔

"فردوس نے خود انکار کر دیا۔"

"کیوں؟"

"پھر وہی کیوں؟ میں کہتی ہوں کہ آپ جا کر فردوس سے کیوں نہ پوچھ لیں۔"

"آپ ہی اس وقت بتا دیں، کاہے کو مجھے تڑپا رہی ہیں۔"

"خوب۔ ایک ذرا کی ذرا آپ تڑپیں اور برداشت نہ کر سکیں اور وہ لوگ جو دس بارہ برس سے تڑپ رہے ہیں ان کی کچھ پروا نہیں۔"

"تو آپ نہیں بتائیں گی؟"

"میں مجبور نہیں ہوں۔"

"میں ایک عرصے سے آپ کے طنز و طعن کا نشانہ بنا ہوا ہوں۔ میں نے سب کچھ برداشت کیا۔ اب مجھ میں قوت برداشت نہیں۔ آپ کو جو کچھ معلوم ہے وہ بتانا نہیں چاہتیں۔ نہ بتائیے۔ میں واقعی احمق ہوں کہ آپ سے ایک امید لگا بیٹھا ہوں"۔

آج یہ پہلا موقع تھا کہ ان دونوں میں برابر کی بات ہو رہی تھی۔ میں بالکل خاموش تماشائی بنا رہا اور یہ ڈرامہ دیکھتا اور دونوں کے ڈائی لاگ سنتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ اب موقع بڑا نازک آ گیا ہے۔ میں نے کہا:۔

"اچھا اس وقت یہ گفتگو ختم کیجئے۔ میں دیکھتا ہوں آپ دونوں جذبات کی رو میں بہے جا رہے ہیں۔ گفتگو دوسرے وقت کے لئے اٹھا رکھئے"۔

سعید صاحب تو اس کے لئے تیار نہ تھے لیکن پرنسپل صاحبہ نے کہا "بہتر ہے پھر کسی دن بات ہوگی۔ آپ انھیں سنبھالئے کہیں پاگل نہ ہو جائیں"۔

"جب کوئی مجھے پاگل بنانے پر اتر آیا ہوں تو میرے پاگل ہونے میں شک ہی کیا ہے"۔

"اچھا بس کیجئے۔ چلئے چلیں" — اور یہ کہہ کر میں اٹھ کھڑا ہوا سلام کر کے چل دیا میرے پیچھے سعید صاحب ہو لئے۔ بالکل اس طرح جیسے کوئی امیدوار ناکام واپس ہو رہا ہو۔

ہم دونوں پرنسپل صاحبہ کے باہری کمرے سے نکلے ہی تھے کہ پرنسپل صاحبہ نے پکارا:۔

"سعید صاحب!"

سعید صاحب دوڑ کر گئے۔ پرنسپل صاحبہ نے یہ کہتے ہوئے کہ یہ فردوس نے

آپ کے لئے دیا ہے۔ ایک پرچہ انھیں تھما دیا۔ پرچہ پڑھ کر سعید صاحب 'ہائے' کہہ کر گرے اور بے ہوش ہو گئے۔ میں لپک کر پہنچا، انھیں سنبھالا، پرچہ دیکھا لکھا تھا۔

"بچپن کے بچھڑوں کو بچپن کی جھونپڑی کا سلام قبول ہو۔"

(۸)

"آخر چلے گئے!"

"جی ہاں! چلے گئے۔"

"آپ نے روکا نہیں؟"

"میرے روکنے سے کیا ہوتا ہے۔"

"ہوتا کیوں نہیں۔"

"بیکار تھا میرا روکنا۔"

"کیوں؟"

"آپ چاہتی تھیں کہ وہ جائیں۔"

"میں کیسے چاہتی تھی؟"

"وہ آخری پرزہ جو فردوس نے سعید صاحب کو لکھا تھا۔ نہ آپ دیتیں نہ وہ جاتے۔ آپ نے مجھ سے مشورہ بھی نہ کیا۔"

"اگر ان کے جانے کا الزام مجھ پر آتا ہے تو میں عرض کروں۔ سعید صاحب ہفتہ عشرہ کے اندر پھر واپس ہو جائیں گے۔"

"آپ کو کیا معلوم؟"

"میرا قیاس ہے۔"

"کیا پھر آپ سے کچھ بات چیت ہوئی تھی"

"انھوں نے چاہا تو کئی بار لیکن میں نے بات چیت کا موقع نہیں دیا"

"کیوں؟"

"میں جانتی تھی کہ وہ مجھ سے کیا پوچھتے۔ یہی کہ فردوس کی شادی کیوں نہ ہو سکی"

"یہ بات تو مجھ سے بار بار پوچھتے رہے"

"آپ نے بتایا تو نہیں"

"نہیں میں نے نہیں بتایا"

"تو پھر کیا کہہ کر گئے؟"

"فرما رہے تھے۔ والد صاحب سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے"

"کیا خیال ہے آپ کا؟ وہ والد صاحب سے ملنے گئے ہیں یا فردوس سے؟"

"میرا خیال ہے کہ فردوس سے ملنے کا جذبہ غالب ہے"

"یہی میرا خیال ہے لیکن اس وقت اس غریب کا کیا بنے گا جب وہ وہاں فردوس کو نہ پائے گا"

"کیا مطلب؟ فردوس کہاں گئی ہو گی"

"وہ بیمار ہے اور داخلِ اسپتال ہے"

"بیمار ہے تو سعید صاحب اسپتال میں مل لیں گے"

"اسپتال میں شاید نہ مل سکیں"

"کیوں؟"

"کیوں کہ فردوس نے اپنا وارث سعید صاحب کے والد کو لکھایا ہے۔ زنانہ اسپتال

میں وہی جا سکتے ہیں یا پھر کوئی عورت۔ دوسرا شخص نہیں مل سکتا۔"

"تو یہاں کیوں واپس آئیں گے۔"

"انھیں یہ نہیں بتایا جائے گا کہ فردوس بیمار ہے۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ اس کا اثر سعید صاحب پر بُرا پڑے گا۔"

"ہاں! اندیشہ تو ہے مگر جب وہ پوچھیں گے کہ فردوس کہاں ہے؟ تو لوگ کیا بتائیں گے۔"

"لوگ کہاں بیچ میں آ گئے۔ یہ کہئے کہ ان کے والد صاحب کیا بتائیں گے۔ میں نے ان کے والد صاحب کو حالات کے نتیجے سے آگاہ کر دیا ہے۔ وہ سنجیدہ آدمی ہیں باپ ہیں۔ وہ ہرگز نہ چاہیں گے کہ بیٹے کے دل پر چوٹ لگے۔"

"میں یہ نہ سمجھ سکا کہ سعید صاحب جب فردوس کو نہ پائیں گے تو یہاں بھاگ کر کیوں آئیں گے۔"

"میرے پاس۔"

"آپ کے پاس کیوں؟"

"میری خوشامد کرنے کہ فردوس سے ملا دیجئے۔"

"تو ملا دیجئے گا۔"

"ملا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن شاید فردوس اپنی بیماری کی حالت میں ان سے ملنا پسند نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ وہاں ایک نیا حادثہ سر اُٹھا رہا ہے۔"

"دکیا؟"

"وہاں لوگوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ سعید صاحب زندہ ہیں اور اب فردوس کی شادی ان سے ہونے والی ہے۔"

"لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ فردوس شادی کرنا چاہتی ہے تو بیچ میں نواب علی حیدر صاحب آ گئے۔ ان کی بیوی موجود ہے۔ اب وہ فردوس سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"ایں! یہ نیا گل کھلا۔"

"تو فردوس کی رائے کیا ہے؟"

"وہ تو سعید صاحب ہی سے شادی کرنا چاہتی ہے لیکن علی حیدر کا دباؤ وہاں پبلک پر بہت زیادہ ہے۔ وہ با اثر آدمی ہے۔ اس کی مرضی کے خلاف اگر کوئی زبان ہلائے گا تو اس کی خیر نہیں۔"

"اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ سعید صاحب کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہے۔"

"بالکل۔"

"تو کیا کیا جائے۔ میں جاؤں۔"

"آپ کے جانے سے کام نہ بنے گا۔"

"پھر؟"

"مجھے جانے کی اجازت دیجیے۔"

"آپ عورت ذات کیا کر سکتی ہیں۔"

"عورت ذات کا مطلب آپ کا یہ ہے کہ میں ایک کمزور جان ہوں لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عورت کی تدبیر اس کی اپنی تدبیر ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک الھڑ لڑکی ایک انجان شخص سے بیاہ دی جاتی ہے لیکن وہی ناتجربہ کار لڑکی اپنی سوجھ

بوجھ سے ایک راہ نکال لیتی ہے۔ اور آزمائشوں کا مقابلہ کس خوبصورتی سے کرتی ہے۔ مرد میں یہ بات نہیں۔ وہ تو ہر پھول کا بھونرا ہوتا ہے۔ عورت کا ساتھ وہ اس طرح نہیں دیتا جس طرح عورت مرد کا ساتھ دیتی ہے۔ عورت اپنے شوہر کو سرتاج سمجھتی ہے اور مرد اُسے پاؤں کی جوتی۔ جب چاہا نکال پھینکا۔ انہی نواب علی حیدر صاحب کو دیکھ لیجئے۔ ان کی بیوی میں کیا کمی ہے۔ حسین ہے۔ صاحب اولاد ہے۔ گرہست ہے۔ نیک ہے۔ لیکن نواب صاحب ایک بیوی پر قانع نہیں۔ وہ نفس کے مطالبے پر شادی کرنا چاہتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ فردوس خوبصورت ہے اور لاوارث ہے۔ اس لئے اُسے حاصل کرنا ان کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں۔"

"بے شک مشکل نہیں۔ سیدھی انگلیوں سے گھی نہ نکلے گا تو وہ دوسری تدبیریں کریں گے۔ اور وہ تدبیریں خطرناک ہوں گی۔"

"ہاں۔ انہی خطروں کا مقابلہ بڑی خوبصورتی سے کرنا ہے۔ میں سوچ رہی ہوں کہ کچھ ایسا ہو کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔"

"آپ نے کیا تدبیر سوچی ہے۔"

"میں تدبیروں میں کسی کو راز دار نہیں بناتی جو کچھ ہوگا۔ آپ دیکھ لیجئے گا۔ آپ اس وقت جانے کی اجازت دے دیں۔"

"اس اسکول کا کیا بنے گا۔ ناظم مدرسہ تو گیا ہی تھا اب پرنسپل صاحبہ بھی چلی جائیں تو کیا دھرا سب اکارت ہو جائے گا۔"

"خدا نے چاہا تو ایسا نہیں ہوگا۔ برکت باجی بڑی سوجھ بوجھ کی ہیں۔ وہ میری جگہ کور کرلیں گی۔"

"اور سعید صاحب کی جگہ؟"

"آپ دیکھ بھال کر لیجیے۔"

"واہ! یہ خوب مشورہ دیا۔ میں اکیلا آدمی۔ ایک سر ہزار سودا والی مثل میں کیا کیا دیکھوں گا۔"

"دیکھئے، ایسا کیجئے۔ شوکت صاحب کو کام کے لئے رکھ لیجئے۔ سعید صاحب شوکت صاحب کی بڑی تعریف کرتے رہتے ہیں۔ کبھی کبھی ان سے کام بھی لیتے رہتے ہیں۔"

"تو یہ کہئے کہ پلان پہلے سے بنا لیا گیا ہے۔ آپ تو سعید صاحب کو مرد ناداں کہتی ہیں۔ نادان آدمی کب اس طرح پلان بناتا ہے۔"

"اب تو وہ سمجھ سے کام لینے لگے ہیں بس ذرا ذہن میں انتشار ہے۔ وہ فردوس سے شادی کے بعد ختم ہو جائے گا۔ ویسے "دیوانہ بکارِ خویش ہوشیار بود" تو ٹھیک ہی ہے۔"

"مشکل ہے۔ میرے خیال میں وہ جذباتی آدمی ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شادی کے بعد جب مطلوبہ چیز مل جائے تو اس کی قدر نہ کریں۔"

"ہاں نفسیاتی اصول تو یہی ہے۔ نفسیات کے ماہرین بھی یہی کہتے ہیں۔ لیکن میرا احساس یہ ہے کہ وہ فردوس سے ہمیشہ مرعوب رہیں گے۔"

"مرعوب کیوں؟"

"جب انھیں یہ معلوم ہو گا کہ ایک لمبے عرصے تک فردوس نے ان کے والد کی خدمت کی ہے۔ ان کے قائم کئے ہوئے مدرسے کی دیکھ بھال کی۔ اسے ترقی دی اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کے لئے صرف انہی کے لئے ایک امید لئے بیٹھی رہی

تو اب ان کی دبی ہوئی سُوجھ بوجھ اُبھر آئے گی۔ اور یہ لااُبالی پن ختم ہو جائے گا۔"

"ہاں! ایسا ہوتا ہے۔ بہت سے بگڑے ہوئے نوجوانوں کو میں نے دیکھا ہے کہ شادی کے بعد کچھ سے کچھ ہو گئے۔"

"تو پھر کیا رائے ہے۔ میں جاؤں؟"

"آپ جائیے۔ لیکن دو دن کے بعد۔ میں شوکت صاحب کو سمجھا دوں۔ آپ برکت باجی کو سب کچھ بتا دیں اور ہاں! آپ آئیں گی کب تک؟"

"ان شاء اللہ جلد آؤں گی۔ خدا کرے کہ فردوس جلد صحت یاب ہو جائے اور علی حیدر کا دماغ جلد ٹھیک ہو جائے۔ میرا اندازہ ہے کہ ایک ماہ کے اندر معاملہ سلجھ جائے گا۔"

"اور اس کے بعد سعید صاحب جب یہاں آئیں گے تو وہ ایک عدد فردوس کے شوہر ہوں گے۔"

"آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں۔ آپ تو ان کے بڑے بھائی بنے ہیں۔ شادی تو آپ کے اہتمام سے ہوگی۔"

"بے شک، بے شک! میں ہی سعید صاحب کی شادی کروں گا۔ اور اپنے بھائی کے لئے وہ سب کچھ کروں گا جو کرنا چاہیئے۔ انھوں نے ہماری بستی سے بہت کچھ جہالت دور کی ہے۔ ساری بستی پر ان کے احسانات ہیں۔ میری رائے تو یہ ہے کہ شادی یہیں سے ہو۔"

"یعنی سعید صاحب یہاں سے دولھا بن کر جائیں اور وہاں سے فردوس کو بیاہ لائیں تو میں بھی حق رکھتی ہوں کہ وہاں برات کا استقبال کروں۔ فردوس کے ولی

وہاں سعید صاحب کے والد ہوں گے۔"

"پرنسپل صاحبہ! مجھے آج آپ کی باتوں سے بڑی خوشی ہورہی ہے۔ خدا کرے کہ وہ شبھ گھڑی اور نیک ساعت جلد آئے۔ اچھا تو میں رعنا سے کہہ دوں کہ وہ انتظام کرے۔ کھکیڑ تو انہی کے سر پڑے گی۔ میں تو صرف روپیہ خرچ کرنیوالا ہوں۔"

"اس وقت ایک مشورہ دل میں ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ شادی مثالی شادی ہو۔"

"بے شک مثالی ہوگی۔ میں اپنی حیثیت کے مطابق شادی کے مصارف میں کمی نہ کروں گا۔"

"اس طرح تو مثالی شادی نہ ہوگی۔ شادی میں دھوم دھام اور خرچ کرنے والے بہت ہیں۔"

"پھر مثالی شادی کیسے ہو سکے گی؟"

"بس یہ اصول سامنے رکھئے کہ کم سے کم خرچ ہو۔ آپ نے پڑھا ہوگا کہ بہترین شادی وہ ہے جس میں کم خرچ ہو۔"

"جی ہاں۔ یہ حدیث میں نے پڑھی ہے۔ مگر جوڑے اور دلہن کے لئے زیورات تو چاہئیں ہی۔ اپنے بھائی کی طرف سے دعوت ولیمہ بھی میں ہی دونگا۔"

"اچھا خیر۔ وہ تو سب ہو جائے گا۔ اب تو مجھے جانے دیجئے اور دعا کیجئے کہ علی حیدر نے جو فتنہ کھڑا کیا ہے وہ کسی طرح دب جائے۔"

"میں دعا کروں گا لیکن اس فتنہ کو دبانے کے لئے آپ نے جو تدبیر سوچی ہے اس میں مجھے شریک کر لیتیں تو مجھے خوشی ہوتی۔"

"آپ کو اس وقت بہت زیادہ خوشی ہوگی جب آپ دیکھیں گے کہ ایک

عورت کی تدبیر سے علی حیدر صاحب اپنا سا منھ لے کر رہ جائیں گے۔ اور کچھ نہ کر سکیں گے۔"

"یہ سب تو میرے لئے معمّہ ہے۔"

" اور جب معمّے کا حل سامنے آئے گا تو آپ کو کتنا لطف آئے گا۔"

"یہ حل ہی تو جاننا چاہتا ہوں۔"

"اگر ابھی سے بتا دوں گی تو سارا مزہ کرکرا ہو کر رہ جائے گا۔ جس طرح ایک شاعر مشاعرے سے پہلے اپنی غزل نہیں سناتا۔ اسی طرح میں اس فتنے کے حل کو پوشیدہ رکھنا چاہتی ہوں۔"

"آپ کی خوشی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عورت ذات اپنے داؤں سے خود ہی گر جائے۔"

"ان شاء اللہ ایسا نہ ہو گا۔"

" خدا آپ کو کامیاب کرے۔"

" تو پھر اجازت ہے۔"

" خدا حافظ۔"

میں سلام کر کے پرنسپل صاحبہ کے یہاں سے چلا آیا۔ سارا حال رعنا سے کہا۔ رعنا کو بڑی خوشی ہوئی اور وہ واقعی اس طرح سوچنے لگیں جیسے ان کے بھائی کا بیاہ ہو رہا ہے۔

—— (۹) ——

واقعی سعید صاحب آٹھویں دن واپس آ گئے۔ میں نے پوچھا " اتنی جلدی کیوں آ گئے؟ جواب دیا۔ وہاں جی نہیں لگا۔"

"خوب!" میں سوچنے لگا۔ یہ جی نہ لگنے کی ایک ہی کہی۔ وہاں سعید صاحب

کے والد، پرنسپل صاحبہ اور فردوس۔ ان کی دلچسپی کے لئے تینوں کے تینوں موجود۔ اور حضرت کا جی نہ لگا۔

میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ وہ کیا راز ہے جس کی بنا پر پرنسپل صاحبہ نے پیشین گوئی کی تھی۔ کہ سعید صاحب ہفتہ عشرہ کے اندر واپس آجائیں گے۔ میں نے دل ہی دل میں یہ بھید پانے کی کوشش کی میری سمجھ میں آیا کہ فردوس سے شادی کرنے کے لئے پرنسپل صاحبہ بہترین واسطہ ہیں۔ اور ان حضرت کے خیال میں پرنسپل صاحبہ یہاں ہیں۔ اس لئے یہیں آکر ان سے بات کی جائے۔ میں نے پوچھا۔

"کیا فردوس سے ملاقات ہوئی؟"

"نہیں!"

"کیا پرنسپل صاحبہ سے آپ ملے؟"

"نہیں!"

"آپ کے خیال میں پرنسپل صاحبہ یہاں ہوں گی۔ شاید اس لئے آپ ان سے ملنے یہاں آگئے۔"

"نہیں، یہ بات تو نہیں"

"پھر اتنی جلدی کیوں تشریف لے آئے؟"

"وہاں جی نہ لگا۔" پھر وہی جواب دیا۔

"والد صاحب سے تو ملاقات ہوئی ہوگی ان سے سارا حال معلوم ہوا ہوگا۔"

"والد صاحب سے صرف اتنا معلوم ہوسکا کہ فردوس بیمار ہے اور داخل ہسپتال ہے۔"

"کیا بیمار ہے؟"

"مجھے صرف یہ بتایا گیا کہ فردوس کے معدے میں تیزابیت پیدا ہوگئی ہے اس کی وجہ سے چہرے اور گلے میں سیاہ سیاہ دھبے پڑ رہے ہیں۔"

"آپ عیادت کے لئے گئے ہی ہوں گے۔"

"گیا تھا لیکن فردوس نے ملنے سے انکار کر دیا۔"

"اور وہاں پرنسپل صاحبہ تھیں یا نہیں؟"

"نہیں تھیں!"

"تعجب ہے فردوس بیمار ہو اور پرنسپل صاحبہ وہاں جاکر اُس کے پاس نہ ہوں. اچھا یہ بتائیے وہاں فردوس جو اسکول چلا رہی ہے اسے آپ نے دیکھا؟"

"دیکھا؟"

"کیسا چل رہا ہے؟"

"بالکل اسی نہج پر جیسے ہم یہاں چلا رہے ہیں۔ وہاں جاکر اچنبھے میں ڈالنے والی بات یہ معلوم ہوئی کہ فردوس دو اسکول چلا رہی ہے۔ ایک یہ اور ایک اور کہیں۔"

"اور کہیں؟ — کیا مطلب؟ اور کہیں سے کیا مراد ہے؟"

"اس کا جواب مجھے نہ مل سکا۔ میں نے والد صاحب سے معلوم کرنا چاہا لیکن انھوں نے یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ تم کو زیادہ کریدنے سے کیا غرض ہے. وہ اپنا کام کر رہی ہے تم اپنا کام کرو۔"

"پھر اب کیا خیال ہے۔"

"دراصل میں یہی گتھی سلجھانے کے لئے جلد چلا آیا کہ پرنسپل صاحبہ سے معلوم کروں لیکن وہ میرے آنے سے پہلے ہی یہاں سے چلی گئیں۔"

"آپ کے آنے کا یہ منشا، تو نہیں کہ آپ علی حیدر کی زیادتی سے بچے رہیں"۔
"والد صاحب نے اس طرف اشارہ تو کیا تھا اور بند بند لفظوں میں کہا بھی کہ چند دنوں کے لئے واپس جاؤ پھر جب بلایا جائے تو آجانا"۔
"اس کا مطلب یہ ہے کہ دو چار دنوں میں وہاں سے بلاوا آجائے"۔
اور سچ مچ پانچویں دن سعید صاحب کے والد صاحب کا خط آگیا۔ لکھا تھا کہ تم دونوں خط پاتے ہی آجاؤ اور اپنے ساتھ رعنا کو بھی لیتے آؤ۔
ہم نے چلنے کی تیاری شروع کر دی۔ چلتے وقت میں نے محسوس کیا کہ رعنا کو اس سفر سے بے حد دلچسپی ہے۔ اس کے ساتھ دو ٹرنک تھے۔ میں نے پوچھا۔ ان میں کیا ہے؟ بتایا کہ سعید صاحب کی شادی کا سامان ہے"۔
"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سعید صاحب کی شادی کرنے جا رہی ہیں؟"
رعنا نے جواب دیا۔ "جی ہاں! یہ دیکھئے پرنسپل صاحبہ کا خط میرے نام آیا ہے اور تاکید کر کے مجھے بلایا ہے"۔
"واہ۔ یہ تو عجیب بات ہے رعنا! تمہیں یہ خبر بھی ہے کہ فردوس بیمار ہے"۔
"میرے پاس اس کی کوئی اطلاع نہیں ہے"۔
"یہ عجیب بات ہے۔ ہمیں کچھ اطلاع ملی اور تم کو کچھ نہ"۔
"یعنی؟" رعنا نے مجھ سے پوچھا۔
"کیا تم کو یہ نہیں معلوم کہ فردوس بیمار ہے۔ اور اس کے چہرے کا رنگ سیاہ پڑ گیا ہے"۔
اس کے جواب میں بے پروائی کے ساتھ رعنا نے کہا! کہ بیماری کا علاج بھی

ہو سکتا ہے۔"

"رعنا! تم کو کچھ خاص باتیں ہم دونوں سے زیادہ معلوم ہیں۔ کیا بتا سکتی ہو؟"

"اب وہیں چل کر سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

"کیا معلوم ہو جائے گا؟"

"جو معلوم ہونا چاہیے۔"

رعنا نے بات ختم کر دی۔ ضروری سامان ساتھ لیا گیا۔ اور ہم تین آدمیوں کا قافلہ روانہ ہو گیا۔ بخیریت منزلِ مقصود پر پہنچے۔ سعید صاحب کے والد مجھ سے بڑے تپاک سے ملے۔ خاطر و مدارات کے ابتدائی مراحل طے کرنے کے بعد فرمایا:

"آپ دونوں صاحبان بڑی سنجیدگی کے ساتھ سنیں اور اچھی طرح سوچ سمجھ کر جواب دیں۔ سعید میاں سے میرا جو رشتہ ہے وہ ظاہر ہے لیکن فردوس بھی میری لڑکی ہے۔ اس نے ان حضرت کی عدم موجودگی میں مجھے جس طرح سنبھالا اس سے میں بے حد متاثر ہوں۔ یہ حضرت تو مجھے تباہ کر کے چلے گئے۔ فردوس نے بیٹا بن کر مجھے سہارا دیا۔ وہ غریب کیا کیا پاپڑ بیل رہی ہے؟ یہ میں جانتا ہوں۔ تم لوگ تو شاید بعد میں سمجھ سکو۔

اب ایک مسئلہ بے حد پیچیدہ ہے۔ فردوس داخل اسپتال ہے۔ اس سے پہلے آپ نے سنا ہو گا کہ علی حیدر بھی اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ "ایک انار دو بیمار" والی بات آپڑی ہے۔ میں نے علی حیدر کو بھی بلایا ہے۔ میں اس موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مشورے پر سعید میاں اور علی حیدر دونوں سے عمل کرانا چاہتا ہوں۔ اسپتال چل کر یہ دونوں فردوس کو دیکھ لیں۔ میرا خیال ہے کہ اب ان دونوں میں سے کوئی بھی اس سے شادی کرنے کو تیار نہ ہو گا۔

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"فردوس کا چہرہ کالا پڑ گیا ہے، اُسے دیکھ کر یہ حضرت جو میرے سامنے بیٹھے ہیں اور جن کا نام سعید صاحب ہے اور جو اس کے عشق میں مجنوں بن کر یہاں سے چلے گئے تھے۔ جی ہاں! یہ بھی اسے بیوی بنانے کو تیار نہ ہوں گے۔"

سعید صاحب کے والد صاحب یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ میں نے سعید صاحب کی طرف دیکھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھے رہے۔ ان کے چہرے کا رنگ ایک آتا تھا ایک جاتا تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اندرونی کشمکش میں مبتلا ہیں۔

ہم سب خاموش بیٹھے تھے۔ اتنے میں علی حیدر صاحب ایک رئیس کی طرح بنے ٹھنے تشریف لے آئے۔ سعید صاحب کے والد صاحب نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور جو بات ہم سے کہی تھی ان کے سامنے بھی رکھی۔ انھوں نے اس تجویز کو پسند کیا اس کے بعد ہم سب اسپتال کی طرف چل دیے۔

اسپتال پہنچ کر اطلاع کرائی گئی۔ ایک نرس نے رہنمائی کی۔ اس وارڈ میں لے گئی جہاں فردوس زیرِ علاج تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہاں رعنا کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ پرنسپل صاحبہ ضرور ہوں گی۔ میں نے رعنا سے پوچھا۔

"تم تنہا اور پرنسپل صاحبہ؟"

"آپ گھبراتے کیوں ہیں۔ وہ بھی مل جائیں گی۔ آپ تو میرے ساتھ آئیے اور یہاں جو کچھ ہونا ہے ہو لینے دیجیے۔"

رعنا یہ کہہ کر اُٹھی۔ مجھے ساتھ لیا۔ اسپتال کے چھوٹے سے پارک میں لے گئی۔ ایک بینچ پر بیٹھی اور مجھے بھی بٹھا لیا۔ میں نے پوچھا۔ یہ کیا ڈرامہ ہو رہا ہے۔ تم کو مجھ سے

زیادہ معلوم ہے مگر تم نے مجھے بتایا نہیں۔"

رعنا مسکرائی۔ بولی۔

"یہ ایک راز ہے جو آج کھلے گا۔" پھر اچانک وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ "وہ دیکھئے علی حیدر صاحب وارڈ سے باہر آ گئے۔"

میں نے دیکھا۔ لپک کر ان کے پاس گیا۔ انھوں نے مجھ کو دیکھ لیا۔ لاحول پڑھی میں نے خیریت پوچھی۔ معلوم ہوا کہ فردوس کا چہرہ تو مسخ ہو گیا ہے۔ اس سے تو ایک احمق آدمی ہی شادی کر سکتا ہے۔

یہ کہہ کر انھوں نے اپنی راہ لی۔ رعنا نے کہا اب چلئے دیکھیں سعید صاحب نے کیا فیصلہ کیا ہے؟

ہم دونوں وارڈ کے اندر گئے۔ وہاں سعید صاحب کے والد بزرگوار ان سے کہہ رہے تھے۔ "کیا تم اس سے شادی کرنے کو تیار ہو؟"

ہم نے سنا کہ سعید صاحب نے جواب دیا۔ ابا! مجھے منظور ہے۔"

"سوچ لو۔ اپنے بڑے بھائی سے مشورہ کر لو۔ ایسا نہ ہو کل پچھتانا پڑے۔"

میں نے بھی سعید صاحب سے کہا کہ خوب سوچ لو۔ عمر بھر کا ساتھ ہے۔ اگر انکار کرو تو میں ایک سے ایک خوبصورت لڑکی سے شادی کرا سکتا ہوں۔

"نہیں۔ میں جس کو اچھا کہہ چکا اس کو بُرا کیوں کر کہوں۔"

میں سعید صاحب کے فیصلے پر ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ رعنا مسکرا رہی تھی اور سعید کے والد صاحب کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

میں نے رعنا کی طرف دیکھا اس نے مجھ سے پوچھا۔ "کیا علی حیدر چلے گئے؟"

"وہ تو گئے۔ تم نے یہ کیوں پوچھا؟"

"ان کے ارمانوں کی ایک نشانی یہیں رہ گئی ہے۔"

"کیا؟"

"ایک آئینہ۔"

"کیسا آئینہ؟"

"جس میں انھوں نے اپنے سفلی جذبات کی تصویر دیکھی ہے۔"

"یعنی؟"

اس کے جواب میں رعنا اُٹھی۔ اس نے فردوس کے چہرے پر ہاتھ ڈالا۔ فردوس کی ناک پکڑ کر کھینچی تو ایک سیاہ داغدار جھلّی کھنچی چلی آئی۔

سیاہ جھلّی کے اترنے کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ چاند گہن سے نکل آیا۔ میں نے فردوس کے چہرے کی ایک جھلک دیکھی۔ اس کے بعد اس نے چادر سے سر چھپا لیا۔

"ارے، یہ کیا؟ سعید صاحب کی زبان سے نکلا۔"

"بیٹا! یہی ایک صورت تھی کہ فردوس علی حیدر کے پھندوں سے خود بچ سکتی تھی اور تم کو بچا سکتی تھی۔ ورنہ اگر اس سے انکار کر کے تمہارے ساتھ شادی کر لیتی تو وہ رقیب نہ تم کو زندہ چھوڑتا اور نہ فردوس کو۔"

"مگر قبلہ......" میں نے کہا "اب تک ایک بات سمجھ میں نہ آئی کہ یہاں پرنسپل صاحبہ کہیں نظر نہیں آرہی ہیں۔"

"پرنسپل صاحبہ کون؟" سعید صاحب کے والد صاحب نے مجھ سے پوچھا۔

"وہ ہمارے مدرسے کی پرنسپل ہیں۔"

"یہ رعنا سے پوچھ لیجیۓ گا۔ چلئے اب ان دونوں کو عقد نکاح میں جکڑ دیں۔
"رعنا! ......!" میں نے اپنی بیوی سے پوچھا "کیا پرنسپل صاحبہ اور فردوس ایک ہی شخصیت کے دو روپ ہیں؟"

"جی اور کیا؟"

رعنا نے جواب دیا۔

اور میں فردوس کی سوجھ بوجھ پر عش عش کرنے لگا۔

